بانی :- مولانا ماہر القادری رح

ماہنامہ

فاران

کراچی

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۲۶۲

جلد نمبر ——— ۳۵

شمارہ نمبر ——— ۱۱

اگست ۱۹۸۴ء

ایڈیٹر :- اسمٰعیل احمد مینائی

چندہ سالانہ پاکستان میں ۵۰ روپے

" بھارت و بنگلہ دیش میں ۱۰۰ روپے

" دیگر ممالک میں ۲۰۰ روپے

قیمت فی پرچہ -/۵ روپے خاص اشاعت -/۱۰ روپے

پبلشر :- اسمٰعیل احمد مینائی

دفتر ماہنامہ فاران ۲۱۸ بہادر آباد کراچی

اس شمارے میں

فاران کے تازہ اور پرانے شمارے یہاں دستیاب ہیں

۱:- صدر ریگل بس اسٹاپ کراچی

۲:- محمد سعید بن عزیز
عوامی کتب خانہ بولٹن مارکیٹ نزد لکشمی بلڈنگ ایم - اے جناح روڈ کراچی

"قرآن کریم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپکی دینی معلومات میں اضافے کے لئے شائع کی جاتی ہیں انکا احترام آپ پر فرض ہے لہذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں انکو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں"

پبلشر اسمٰعیل احمد مینائی نے انجمن پریس کراچی میں چھپوا کر دفتر فاران نمبر ۲۱۸ بہادر آباد سے شائع کیا فون ۴۱۲۱۶۲

نقشِ اوّل

ماہ اگست کو ہم پاکستان کا مہینہ سمجھتے ہیں قضیۂ آزادیٔ ہند کے تمام فریقوں کے اتفاق رائے سے گو منصوبۂ پاکستان کے مطالبے کے روبرو سرجھکانیے کا اعلان ۳ جون ۱۹۴۷ء ہی کو کردیا گیا تھا لیکن پاکستان کا ملک وجود میں آیا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جس شب کو خوش بختی سے ۲۷ رمضان المبارک تھی (ممکن ہے شبِ قدر بھی ہو) یہ ایک عظیم برکت اور بڑی بشارت تھی جسکی اہمیت اور SIGNIFICANCE کو قائداعظم نے بھی پہچانا اور ملت کے عوام نے بھی جانا لیکن قائداعظم کے رفقاء میں سے بجز معدودے چند کے اور کسی نے نہ جانا نہ پہچانا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان بے خبروں اور بے کرداروں کی بداعمالی اور خود غرضی سے باخبر اور باضمیر عناصر کا مختصر گروہ جلد ہی "صاف" ELIMINATE کردیا گیا اور ملک پورے طور پر طالع آزماؤں کے بس میں چلا گیا جس سے وہ آج تک آزاد نہیں ہوا ہے۔

اور ہر طالع آزما نے ملت کو کم سودا اور کم عقل اور خود کو عالی ظرف اور عقلِ کل سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مطالبۂ وقیام پاکستان کے اغراض و مقاصد مسلسل نظروں سے اوجھل ہوتے گئے حالانکہ مارچ ۱۹۴۹ء میں "قرارداد مقاصد" کی شکل میں ان کا تعین کردیا گیا تھا۔

موجودہ حکومت کو برسراقتدار آنے کے چند روز بعد ان اغراض و مقاصد سے کما حقہ آگاہی حاصل ہوئی لیکن اُس کے اپنے مصالح و مفاد ہی اس کے متحمل نہیں ہوسکے کہ حکومت کی تمام پالیسی انہیں اغراض و مقاصد کے حدود اربعہ کے اندر استوار کریں اور ہر دن جو گزرتا گیا اس ملک اور اس کے رہنے والوں کی مشکلات اور تفکرات میں اضافہ کرتا گیا، تا آں کہ اس وقت

الف :۔ دونوں جانب سے یعنی مشرق سے بھی اور مغرب سے بھی جو خطرات اس وقت ملک کو گھیر رہے ہیں، ماضی میں نہ اُن کی سنگینیت کی مثال ملتی ہے اور نہ اُن سے عہدہ برآ ہوتے کی تدبیروں اور منصوبوں کی تفصیل سے مملکت کے عام شہریوں کو جس طرح بالکل بے خبر و بیگانہ رکھا گیا ہے اسکی کوئی حد پچھلی حکومتوں میں سے کسی حکومت کے نامۂ اعمال میں نظر پڑتی ہے۔ یہ صورتحال یقیناً ناپسندیدہ ہی نہیں تشویش ناک اور حیرت انگیز ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ یہ امر باعث

تردد تشویش ہے کہ وہ عناصر جو اوّل دن سے اس مملکت کو اسلام کے متمل (تجربہ گاہ) کی حیثیت سے دیکھنے کے سخت خلاف تھے ان کو پھر فعّال (ACTIVE) ہونے کا موقعہ دے دیا گیا ہے۔

اشتراکی کوچہ گرد اور سوشلزم کے پرچارک اخبار تو شروع ہی سے اسی ایک کام میں لگے ہوئے ہیں لیکن اب اُن عناصر نے بھی سر اٹھایا ہے جو اب تک اس ذیل میں نہیں آتے تھے اور ان عناصر کی بھرپور اور ہمہ نوعی پبلیسٹی اور حوصلہ افزائی ملک کا سب سے اہم انگریزی روزنامہ اس لئے کھلم کھلا کر رہا ہے کہ ایوانِ اقتدار میں اس کے نمائندے بھی ہیں اور عوام میں اسکا اثر بھی۔

ان عناصر کا ایک ٹولہ تو مذہبی علوم و مسائل پر ایسے رُخ سے مسلسل لکھ رہا ہے جس سے "سُنّت" کی بنیاد ہی منہدم ہوتی نظر آتی ہے، اس ٹولے کے سرخیل لاہور میں بیٹھ کر اسلام آباد کی فضا کو مسموم کرتے رہتے ہیں اور کراچی والی شاخ کے گل سر سبد، اُس انگریزی روزنامے کے مرکزی صفحے پر تفسیر و اجتہاد کے پردے میں ایسے ایسے شوشے چھوڑتے رہتے ہیں جیسے۔

ISLAM — A MALE-ORIENTED RELIGION.

اس کاروائی کا اور اس منصوبہ بندی کا عملی سطح پر نوٹس لے کر علمی انداز ہی سے اسکا مسکت جواب دینا یہ کام دراصل علماء اور مسلم اسکالروں کا ہے جنہیں حسب دستور وہ سستی ہی نہیں مجرمانہ غفلت سے کام لے رہے ہیں۔ "فاران" نے مشہور مسلم اسکالر ڈاکٹر حمید اللہ کو پیرس لکھ کر اس فتنے سے آگاہ کیا اور استدعا کی کہ وہ "فاران" اور "اسلامک آرڈر" سے اس بارے میں علمی تعاون کریں تو ایک حد تک اس فتنے کا سد باب ہو سکتا ہے لیکن "فاران" کا یہ قلمی التماس ابھی تک اظہار پذیرائی سے محروم ہے۔

دوسرا گروہ یعنی غیر علمی لیکن عملاً بڑے منظم اور مسموم عناصر پر مشتمل ٹولہ، پاکستان کی -GEN
ESIS- اسکے جواز کے وجوہ و محرکات پر بڑی شدت سے حملہ زن ہے نیز وہ قائداعظم کی ذاتی زندگی کے اُس رخ کو جو مطالبہ پاکستان سے پہلے ہی نہیں بہت پہلے ان کی سیاسی جدوجہد کا نصب العین تھا اسکو بڑی قوت سے بڑی ہوشیاری و چابکدستی سے نمایاں اور PROJECT کر رہا ہے، پہلی گولی اس راہ میں ایک شہزادی نے چلائی جس کی تائید اُسی آن بان سے اُسی متکبرانہ و مشفقانہ لہجے میں ایک (نوابزادہ) نے کی - جب اس پر نہ حکومت کی طرف سے اظہار ناپسندیدگی ہوا، نہ قائداعظم اکادمی نہ اُن سیاسی عناصر کی طرف سے چیلنج آیا جن کو اس ملک کے وجود و بقا کی تمام تر دلیل و جواز صرف اسلام میں ملتی ہے تو پھر حوصلے بڑھ گئے، ہمتیں بلند ہوئیں اور پاکستان دشمن عناصر برملا بانیٔ پاکستان کی ذات، فلسفۂ پاکستان، نظریہ پاکستان غرض ہر اُس نکتے پر جو پاکستانی عوام کے دلوں کی دھڑکن تھا استادانہ اور گستاخانہ انداز سے قلم آزمائی

کرنے لگے اور اُن کا ترجمان جریدہ بڑے طمطراق سے ان "خرافات" کو شائع کرتا رہا۔

پہلے ایک ایرانی الاصل "فاروق" نے فلیگ اسٹاف ہاؤس کے پردے میں قائداعظم کے مقاصد اور موجودہ حکومت کے عزائم پر طنز و استہزا کے تیر چلائے، پھر دو چار نام نہاد کے جو یا اس دوڑ میں شامل ہوگئے، لیکن یہ سب کے سب، شاہ و سید سب ایرانی فلسفہ عقائد و جبات کے اسیر ہیں، ان کے نزدیک قائد سے یہ منسوب کرنا کہ وہ صرف اور صرف مسلمان تھے اور مسلمانانِ ہند کے لئے ایک آزاد وطن کا حصول کا لقب "الدین جہاد" وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرسکیں، قائداعظم کی توہین ہے، اس پورے ٹولے کے ہر فرد کی شناخت یا مال و دولت سے ہے یا ایرانی فلسفۂ زندگی کے حوالے سے یا پھر علاقائیت کی لگن اور پاکستان دشمنی کی جہت سے، ـــــ پہلے اردو کی مخالفت کی گئی، پھر اس پر اصرار کیا گیا کہ قائداعظم کی تمام عظمتیں، سیدھے سادے نام "مسٹر جناح" میں مضمر ہیں، قائداعظم تو ان کو ہندوستان کے مسلمانوں نے کہا۔ یہ سارے میلانات و رجحانات اسکی غمازی کرتے ہیں کہ تمام تر ارتکاز جارحیت، اور حملوں کا اب قائد کے فلسفے کو قائد کے کارناموں کو اُن کی ذات ستودہ صفات سے الگ اور بیگانہ (DIVORCE) کردینا ہے تاکہ موجودہ حکومت کو اپنا وہ کام پورا کرنے کا جواز ہی باقی نہ رہے جو اس نے دیر سویر ہی سہی، نیم دلی ہی سے سہی، بالآخر کرنا شروع کردیا ہے۔

اربابِ اقتدار کو ان دونوں ٹولوں کے اُن عناصر کی فوری سرکوبی کی طرف فوری توجہ کرنی چاہیئے اور اپنے ان رفقاء سے بھی بازپرس کرنی چاہیئے جو ایسے عناصر کی عملاً پرورش اور حوصلہ افزائی کررہے ہیں۔

اسمٰعیل احمد مینائی ـــــ

دو شعر

پہلے تو مجھے کہا، نکالو ؛ پھر بولے غریب ہے، بلالو

اوروں پہ امیرؔ تکیہ کب تک ؛ تم بھی تو کچھ اپنے کو، سنبھالو

(امیر مینائی رح) ـــــ

عبدالعزیز خالد

حاط حاط ؐ

(زبور میں نام دلنواز حضورؐ ہے "حاط حاط" خالد!)

وَ اَحسَنُ مِنکَ لَم تَرَ قَطُّ عَینٌ ⁂ وَ اَجمَلُ مِنکَ لَم تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقتَ مُبَرَّاً مِن کُلِّ عَیبٍ ⁂ کَاَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَآءُ

حضرت حسّان رضؓ بن ثابت

خوب تر تجھ سے کوئی آنکھ نے دیکھا نہ کبھی ⁂ عورتوں نے، نہ جنا تجھ سے حسیں تر کوئی

ہُوا ہر عیب سے تو پاک و مبرّا پیدا ⁂ حسبِ منشا ترے گویا، ہوئی تخلیق تری!

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ ⁂ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ

حَسُنَت جَمِیعُ خِصَالِہٖ ⁂ صَلُّوا عَلَیہِ وَ اٰلِہٖ

شیخ سعدی شیرازیؒ

پہنچا بلندیوں پہ وہ اپنے کمال سے ⁂ کیں دُور اس نے ظلمتیں اپنے جمال سے

مجمع ہے خوبیوں کا وہ اپنے خصال سے ⁂ بھیجو سلام اس پہ (سدا حال و قال سے)

اور اس (رنجستہ دم)، پہ جو اس کی ہے آل سے!

رشید الزماں خلش

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

سرشارِ جامِ بادۂ اقرا تم ہی تو ہو ؛ امّی ہو اور علم سراپا تم ہی تو ہو
لاریب عبدہٗ کا اشارا تم ہی تو ہو ؛ سیاحِ ملکِ عالمِ بالا تم ہی تو ہو
پہنچائے عرش تک جو وہ زینا تم ہی تو ہو ؛ جاتا ہے تابہ خلد جو رستا تم ہی تو ہو
تم رحمتِ تمام، تمہارا ہے فیضِ عام ؛ لوٹے ہوئے دلوں کا سہارا تم ہی تو ہو
جو ربِ کائنات کو بھی دل پسند ہے ؛ کردار کا وہ اعلیٰ نمونا تم ہی تو ہو
صحرا سمٹ کے ذرّہ بنا، عجز کا کمال ؛ صحرا ہو جس میں بند وہ ذرّا تم ہی تو ہو
انسانوں میں بلند، نبیوں کا مرتبہ ؛ اور انبیاء میں ارفع و اعلا تم ہی تو ہو
اخلاق میں جواب تمہارا نہیں کوئی ؛ حسنِ معاملات میں یکتا تم ہی تو ہو
لب پر تمہارا نام جو آیا سکوں ملا ؛ ہر رنج ہر الم کا مداوا تم ہی تو ہو
عالم ہے دردِ ہجر کا اب بحرِ بے کراں ؛ اس بحرِ بے کراں کا کنارا تم ہی تو ہو

اب کے مدینہ جاؤں تو آؤں نہ لوٹ کر
آقا خلش کے دل کی تمنا تم ہی تو ہو

دسترخوانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے ہاں کھانے کا کوئی ایسا اہتمام نہ تھا کہ روزانہ معمولاً کوئی غذا آپؐ کے دسترخوان پر ہوتی۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح آپؐ نے سادگی کو ہمیشہ اپنا شعار بنایا۔ غذا میں بھی عملاً اسی کو اختیار کیا۔ دنیا کے لذیذ، مُرغن اور پرتکلف کھانوں سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ ہمیشہ سادہ غذائیں استعمال فرمائیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر چپاتی نہیں کھائی۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ آپؐ کا چپاتی نہ کھانا حرمت کی بناء پر تھا کیونکہ باریک اور پتلی روٹی عموماً عیش پرستوں کی غذا ہوتی ہے اس لئے آپؐ نے عمر بھر اس سے اجتناب فرمایا۔ آپ اکثر زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا کرتے۔ بالعموم گھٹنوں کے بل یا اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے۔ سہارا یا ٹیک لگا کر کھانا نہ کھاتے۔ کھانے میں عجلت سے کام لیتے اور فرماتے میں اس طریقے سے کھانا کھاتا ہوں جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے کھانا کھاتا ہے۔ کھانا تین انگلیوں سے کھاتے۔ بسم اللہ سے شروع کرتے اور خدا کی حمد و ثنا پر ختم فرماتے۔

کھانے کے معاملے میں حضورؐ کی عادت یہ تھی کہ جو حلال غذا سامنے رکھ دی جاتی آپؐ اسے تناول فرما لیتے اور اسے رد نہ فرماتے اور نہ کبھی غیر موجود چیز طلب فرماتے —— البتہ اگر طبعاً کوئی چیز غیر مرغوب ہوتی تو اسے نہ کھاتے نہ کسی کھانے کے مزیدار نہ ہونے کی شکایت فرماتے۔ دسترخوان پر آپؐ کا یہ معمول تھا کہ جو چیز سامنے رکھی ہوتی اسے کھانا شروع کرتے۔ اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ آپؐ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ دوسروں کے سامنے رکھے ہوئے کھانوں پر ہاتھ چلایا جائے۔ عموماً بھوک رکھ کر کھانا کھاتے۔ فرمایا کرتے مومن کی شان یہ ہے کہ وہ غذا کم کھایا کرے۔

بعض چیزوں سے آپؐ کو زیادہ رغبت تھی ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

گوشت

حدیث کی کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ، بکری، دنبہ، اونٹ، گائے، خرگوش، مرغ، بیٹر، اور مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست کا گوشت آپؐ کو بہت پسند اور مرغوب تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپؐ کو دست کا گوشت فی نفسہٖ چنداں مرغوب نہ تھا، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ کئی کئی روز تک گوشت آپؐ کے دسترخوان پر نہ ہوتا تھا اس لئے جب کبھی مہیا ہوجاتا تو آپؐ کی یہ خواہش ہوتی کہ جلد پک کر تیار ہوجائے۔ چونکہ دست کا گوشت جلد گل جاتا ہے۔ اس لئے آپ اسی کو پسند فرماتے تھے لیکن دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ اس خوبی کے دست کا گوشت آپؐ کو دوسرے حصوں سے زیادہ مرغوب تھا۔

ثرید

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثرید بہت مرغوب تھا۔ آپؐ اسے نہایت شوق سے تناول فرماتے اور اس کی تعریف کرتے۔ ثرید بنانے کی ترکیب یہ تھی کہ روٹی کے ٹکڑے گوشت کے شوربے میں توڑ دیئے جاتے۔ آپؐ دوسرے کھانوں پر اسکو فضیلت دیتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔ مرد تو بہت مکمل انسان بنے عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی مکمل انسان ہوئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر ایسی فضیلت وفوقیت ہے جیسے ثرید کو دوسرے کھانوں پر۔

پنیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ارشاد فرماتے ہیں کہ میری خالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ضب (گوہ) کا گوشت اور پنیر بھیجا۔ آپؐ نے گوشت دسترخوان پر رکھ دیا اور تناول نہ فرمایا اور پنیر نوش جان فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ کی روایت ہے کہ تبوک کے موقع پر حضورؐ کی خدمت میں پنیر پیش کیا گیا تو آپؐ نے چھری طلب کی اور اس سے بسم اللہ پڑھکر پنیر کاٹا۔

حلوہ اور پنیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضور کو حلوہ اور شہد مرغوب طبع تھے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے اسی لئے وہ زیادہ پسند تھا۔ اس حدیث میں جس حلوے کا ذکر ہے وہ ہے جو چھوہاروں کو دودھ میں پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔

چھوہارا

چھوہارا آپؐ کو بہت پسند تھا آپؐ نے فرمایا جس گھر میں چھوہارا نہ ہو، اس کے رہنے والے بھوکے ہیں۔ یزید بن الاعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔

آپ ؐ نے اس پر چھوہارہ رکھا اور فرمایا یہ اس کا سالن ہے۔

دودھ

آپ ؐ دودھ کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اسمیں پانی ملالیتے۔ .نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے جن غذاؤں کی افادیت بتائی ہے آج کی سائنس نے اس پر تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے کہ زندگی کی تندرستی کے لئے اسلام نے جن غذاؤں کی نشاندہی کی ہے وہ صحت اور حیات کے لئے لازمی ہیں۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم اتنا کھائیں جس سے زندگی کے دن آرام اور آسائش سے گزر سکیں۔ جینے کے لئے کھانا چاہیئے نہ کہ کھانے کے لئے جینا چاہیئے۔ (بشکریہ ایشیا، لاہور)

اسرار احمد سہاوری

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

تری نظر تو مرے حال کی نگہباں ہے ؛ میرا خیال ہی محرومِ ذوقِ عرفاں ہے

بساطِ فخر یہ اندازِ فقر حاوی ہے ؛ تمہارا نقشِ قدم سجدہ گاہِ شاہاں ہے

تمہارے نور کی جلوہ گری ہوئی جب سے ؛ زمیں حجاز کی اس دن سے عرش ساماں ہے

نظر کرم کی ہو امت پہ شافعِ محشر ؛ شکستہ کشتی ہے اور اُس پہ وقفِ طوفاں ہے

غمِ فراق میں آنکھوں سے خون ٹپکا ہے ؛ پلک پہ آج بھی لولوئے اشک لرزاں ہے

تم ہی نہیں ہو ثنا خوانِ احمدؐ مرسل ؛ خدا بھی مدحتِ اُمّی لقب پہ نازاں ہے

سہارا چاہیئے اسرار کو عنایت کا
غریقِ رنج و محن ہے بہت پریشاں ہے

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

محمد فاروق ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

☆

فرسٹ فلور فنلے ہاؤس آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

تار کا پتہ ——— فاروق ٹیکس

ٹیلیفون نمبر ——— ۲۳۲۹۴۳-۲۲۲۹۴۲-۲۳۲۹۴۱

طالب ہاشمی

حضرت ہاشمؓ بن عُتبہ زہری

(۱)

عتبہ بن ابی وقاص مالک وہی شخص جس نے غزوۂ اُحد (شوال ۳ھ) میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مار کر شدید زخمی کر دیا تھا اور جس کی بابت اس کے چھوٹے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے فرمایا تھا کہ عتبہ کی اس حرکت کی وجہ سے میں اس کا جس قدر جانی دشمن ہو گیا تھا کسی کا نہ ہوا تھا اللہ کی شان دیکھئے کہ اسی عتبہ کے فرزند کو فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے موقع پر قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی اور اس نے صفحۂ تاریخ پر اپنی شجاعت اور سرفروشی کے ایسے نقوش ثبت کئے کہ ان کو دیکھ کر عروقِ مردہ میں زندگی کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے —— اواخرِ عہدِ رسالتؐ میں اسلام کے قوی دست و بازو بننے والے یہ نوجوان حضرت ہاشمؓ بن عتبہ تھے۔

حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کا تعلق قریش کے خاندان بنو زہرہ سے تھا۔ وہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح عراقِ عرب کے حقیقی بھتیجے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

ہاشمؓ بن عتبہ بن ابی وقاص مالک بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب
بن مُرّہ بن کعب بن لوئیؑ

ان کا سلسلۂ نسب چھٹی پشت میں کلاب پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے ان کے دادا ابی وقاص مالک حضورؐ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کے چچا زاد بھائی تھے اس نسبت سے عتبہ بن ابی وقاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی اور ہاشمؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھتیجے تھے۔

(۲)

حضرت ہاشمؓ بن عتبہ فطری طور پر بڑے جی دار اور نڈر تھے اور بنو زہرہ کے نامور بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ چونکہ وہ اواخرِ عہدِ رسالت میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے تھے اس لئے حضورؐ کے سامنے کوئی خاص کارنامہ انجام دینے کا موقع نہ ملا۔ راہِ حق میں ان کے سرفروشانہ کارناموں کا آغاز اس وقت

ہوا جب خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے انہیں ایک دستۂ فوج کا سپہ سالار بنا کر حضرت ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح کی مدد کے لئے شام روانہ کیا۔ یہ ۱۳ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ خلیفۃ الرسولؐ کے حکم پر حضرت ابو عبیدہ رضؓ شام کی مہم پر تشریف لے گئے تو وہاں سے انہوں نے ہرقل کی زبردست جنگی تیاریوں کا حال دربارِ خلافت کو لکھ بھیجا اور ساتھ ہی امداد کی درخواست کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے جن اصحاب کو کمک دے کر شام بھیجا ان میں سے ایک ہاشم رضؓ بن عتبہ تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے بلاوے پر وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے تو صدیق اکبر رضؓ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"ہاشم یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جن کی مشرکوں سے جہاد کرنے کے لئے مسلمانوں کو ضرورت ہے اور جن کی شجاعت، تدبر و فراست اعلیٰ اخلاق اور خیر خواہی پر مسلمانوں کو دلی اعتماد ہے۔ مجاہدینِ شام نے مجھ سے مدد مانگی ہے اس لئے تم کمک لے کر فوراً روانہ ہو جاؤ تمہیں اختیار ہے کہ ابو عبیدہ رضؓ کے پاس جاؤ یا یزید رضؓ بن ابو سفیان رضؓ کے پاس۔"

حضرت ہاشم رضؓ نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے پاس جانا پسند کیا۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ صدیق نے مسلمانوں کو جمع کر کے فضائلِ جہاد پر ایک ولولہ انگیز خطبہ دیا۔ ان کی تقریر سن کر لوگ حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ کی قیام گاہ پر جمع ہونے شروع ہوئے جب ایک ہزار مجاہدین جمع ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ ان مجاہدین کو لے کر فوراً شام روانہ ہو جائیں۔ اس موقع پر حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص بھی موجود تھے۔ انہوں نے حضرت ہاشم رضؓ سے فرمایا:۔

"برادر زادے اس بات کا خیال رکھنا کہ تیری تلوار کی ہر ضرب اور تیرے نیزے کا ہر وار اللہ جل شانہٗ کی رضامندی کے لئے ہو۔ یاد رکھو تو دنیا سے جانے والا ہے اور جلد اللہ کے حضور پیش ہونے والا ہے تیرے عمل کے سوا کچھ ساتھ نہ جائے گا۔ اس لئے تیرا ہر عمل نیک ہونا چاہیئے۔"

حضرت ہاشم رضؓ نے عرض کیا:۔

"چچا جان آپ فکر نہ کیجیے اگر میں راہِ راست پر نہ چلا تو خود میری بربادی ہے۔

میرا چلنا اور ٹھہرنا، بیٹھنا اور اٹھنا، میری تیغ زنی اور نیزہ بازی اگر
ریاکاری کے خیال سے ہوئی تو میری ہلاکت یقینی ہے"

اس کے بعد حضرت ہاشم رضؓ نے کمک لی اور شام پہنچ کر حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے لشکر میں شامل ہوگئے۔

(۳)

حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ کی آمد سے شام میں اسلامی لشکر کو بڑی تقویت ملی کیونکہ وہ ایک آزمودہ کار مردِ میدان تھے۔ رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں وہ حضرت خالد رضؓ بن ولید، سیف اللہ کے دوش بدوش اس بے جگری سے لڑے کہ ہر طرف ان کی شجاعت و شہامت کی دھاک بیٹھ گئی۔ مورخین نے فحل اور یرموک کے مشہور معرکوں میں ان کی جانبازی اور پامردی کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔ جنگ فحل (ذیقعدہ ۱۳ھ) میں حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے حضرت ہاشم رضؓ کو میسرہ کا افسر بنایا۔

ایک موقع پر رومیوں نے مسلمانوں کے میسرہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ حضرت ہاشم رضؓ کو مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ اس وقت رومیوں کا قلب لشکر بالکل محفوظ تھا اور ڈر تھا کہ اگر اس نے بھی اسلامی لشکر پر دباؤ ڈال دیا تو صورتِ حال سخت مخدوش ہو جائے گی۔ اس نازک گھڑی میں حضرت ہاشم رضؓ نے اپنے علم کو جنبش دی اور للکار کر کہا:۔

"خدا کی قسم جب تک میں اسکو رومیوں کے قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں گا،
واپس نہ آؤں گا، تم میں سے جس کی ہمت ہے میرا ساتھ
دے ورنہ علیحدہ ہو جائے"

یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ہاتھ میں سپر لے کر دشمن کی صفوں میں مردانہ وار گھس گئے، ان کی تقریر نے مسلمانوں کو شعلۂ جوالہ بنا دیا تھا وہ بھی ان کے ساتھ رومیوں کے قلب کی طرف بڑھے رومیوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مسلمان ان کی زد سے بچنے کے لئے جھک جاتے تھے اور سپر سے آڑ کر لیتے تھے۔ اس وقت حضرت ہاشم رضؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

"مسلمانو! میری جان تم پر قربان ہو، کیا دیکھتے ہو دونوں جہان
کی نعمت تمہارے سامنے ہے"

غرض کہ اسی طرح لڑتے بھڑتے وہ رومی قلب کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ نوبت تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر تک پہنچی۔ ایک رومی نے تاک کر حضرت ہاشم رضؓ پر بھرپور وار کیا وہ پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئے اور پھر اپنی تلوار کی ایک ہی ضرب سے اسکو ڈھیر کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت خالد رضؓ بن ولید اور حضرت ابوعبیدہ رضؓ بھی اپنے دستوں کے ساتھ ان کی مدد کو پہنچ گئے اور سب مل کر بلائے ناگہانی کی طرح

رومیوں پر لوٹ پڑے، ایک گھنٹے کی خوں ریز جنگ کے بعد رومیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ نہایت بدحواسی میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ اور دوسرے مجاہدین کی جانبازی کی بدولت مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی۔

جنگ یرموک (رجب ۱۵ھ) کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس جنگ میں حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ پیدل فوج کے افسر تھے۔ یہ ہولناک لڑائی کئی دن تک جاری رہی اس دوران میں رومیوں سے کئی معرکے ہوئے ان سب میں حضرت ہاشم رضؓ سربکف ہوکر لڑے اور سرفروشی کا حق ادا کر دیا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں بیان کیا ہے کہ "جنگ یرموک میں حضرت ہاشم رضؓ کی ایک آنکھ شہید ہوگئی" لیکن جب ہم یرموک کے بعد پیش آنے والی لڑائیوں میں حضرت ہاشم رضؓ کو پہلے کے سے جوش اور جذبے کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوتے دیکھتے ہیں تو یہی نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آنکھ کی شہادت نے ان کے جوش ایمان پر کوئی اثر نہیں ڈالا اور زخم مندمل ہوتے ہی وہ ولولۂ تازہ کے ساتھ پھر میدان جہاد میں پہنچ گئے۔

(۴)

عہد صدیقی رضؓ و فاروقی رضؓ میں شام اور ایران سے مسلمانوں کی جو معرکہ آرائیاں ہوئیں ان کے سال وقوع کے بارے میں مورخین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔

بعض نے جنگ یرموک کا سال وقوع ۱۳ھ اور بعض نے ۱۵ھ لکھا ہے۔ اسی طرح بعض نے عراق عرب کی فیصلہ کن لڑائی "جنگ قادسیہ" کا سال وقوع ۱۴ھ اور بعض نے ۱۶ھ بیان کیا ہے۔ تاہم جمہور مورخین کے نزدیک جنگ قادسیہ، جنگ یرموک کے بعد پیش آئی۔ حضرت ہاشم رضؓ ان دونوں جنگوں میں شریک ہوئے اور دونوں میں اپنی شجاعت و بسالت کا سکہ بٹھا دیا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں انہیں جنگ قادسیہ کا بطل خاص ٹھہرایا ہے۔ جنگ قادسیہ اس لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں مسلمانوں کی فتح نے عراق عرب سے کسریٰ سطوت و اقتدار کا جنازہ نکال دیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عراق عرب کی مہم کا قائد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا تھا۔ جب وہ عراق عرب میں داخل ہوئے تو یزدجرد شاہ ایران نے ایک نامور ایرانی سردار رستم بن فرخ زاد کو ایک جرار لشکر اور بڑے ساز و سامان کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ حضرت سعد رضؓ نے ایرانیوں کی ہولناک جنگی تیاریوں کی اطلاع حضرت عمر فاروق رضؓ کو دی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضؓ کو فرمان بھیجا کہ سعد رضؓ کی مدد کے لئے فی الفور شام سے کمک بھیجو۔ حضرت ابوعبیدہ رضؓ نے یہ فرمان ملتے ہی حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ کو چھ ہزار سوار دے کر عراق عرب کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت ہاشم رضؓ نے

حضرت قعقاع رض بن عمرو تمیمی کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنایا اور ایک ہزار سواران کی ماتحتی میں دے کر آگے روانہ کیا ان کے پیچھے وہ خود بھی باقی فوج کے ساتھ بسرعت تمام عراق عرب کے میدانِ جہاد کی طرف روانہ ہوئے - ابھی یہ امدادی فوج راستے ہی میں تھی کہ قادسیہ کے مقام پر ایرانیوں اور مسلمانوں کے درمیان خون ریز جنگ شروع ہوگئی - حضرت ہاشم رض کی فوج کا ہراول عین اس وقت میدانِ جنگ میں پہنچا جب ایرانی مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہے تھے - اس کمکی فوج کی آمد مسلمانوں کے لئے تائید غیبی سے کم نہ تھی - ہراول کے افسر حضرت قعقاع رض عرب کے نامی بہادر تھے اور اکیلے ہزار سواروں کے برابر مانے جاتے تھے وہ اگرچہ طویل سفر کے بعد قادسیہ پہنچے تھے لیکن انہوں نے ایک لمحہ بھی دم نہ لیا اور قہرِ خدا بن کر ایرانیوں پر ٹوٹ پڑے - نامور ایرانی سردار بہمن جادویہ اور کئی دوسرے ایرانی جنگجو ان کے ہاتھ سے مارے گئے لیکن دشمن کے جنگی ہاتھی مسلمانوں کے راستے میں بری طرح حائل ہوگئے کیونکہ مسلمانوں کے گھوڑے ان کو دیکھ کر بدک بدک جاتے تھے - حضرت قعقاع رض نے اس مصیبت کا تدارک یوں کیا کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں ڈال کر انہیں بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب بنا دیا - ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ کر بدکتے اور مسلمان ان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے - ایرانی سپہ سالار رستم نے اب پیدل فوجوں کو سواروں کی مدد کے لئے آگے بڑھایا - یہ فوجیں آندھی اور طوفان کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں - مسلمانوں نے بڑی ہمت سے اس طوفانی حملے کو روکا - اس زور کا رن پڑا کہ دور دور تک زمین خون سے رنگین ہوگئی - دوسری طرف مدائن سے ایرانی فوجوں کو برابر کمک پہنچ رہی تھی -

حضرت قعقاع رض، عمرو بن معدی کرب اور اشعث بن قیس اپنے اپنے دستوں کی معیت میں اس جوش اور وارفتگی سے لڑے کہ ایرانیوں کا منہ پھیر کر رکھ دیا - حضرت قعقاع رض دشمنوں کی لاشوں پر لاشیں گراتے کبھی میدانِ جنگ کے اس کنارے پر ہوتے اور کبھی دوسرے کنارے پر - جس طرف رخ کرتے، صفوں کی صفیں الٹ دیتے - شام تک میدانِ رزم گرم رہا جب ظلمتِ شب اپنے سائے چاروں طرف پھیلانے لگی تو دونوں فوجیں اپنی قیام گاہوں کو لوٹیں - اس دن دس ہزار ایرانی مارے گئے اور دو ہزار مسلمانوں نے جام شہادت پیا -

اگلے دن علی الصباح حضرت ہاشم رض بھی اپنی فوج کے ساتھ میدانِ جنگ کے قریب آپہنچے - انہوں نے بھی حضرت قعقاع رض کے مشورے کے مطابق اپنی فوج کے کئی دستے بنا دیئے جو وقفہ وقفہ کے بعد تکبیر کے نعرے لگاتے میدان میں داخل ہوئے - آخری دستے میں سات سو جانباز تھے جن کی قیادت خود ہاشم رض کر رہے تھے - وہ تیر برساتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھستے چلے گئے یہاں تک کہ دریا تک پہنچے - وہاں سے پلٹے اور پھر جھپٹے لیکن کسی کو انہیں روکنے کا حوصلہ نہ ہوا - حضرت ہاشم رض حضرت قعقاع رض اور دوسرے سرفروشوں نے

تہیہ کرلیا تھا۔ کہ آج لڑائی کا فیصلہ کر کے رہیں گے۔ رات گئے تک دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ ایرانی جان توڑ کر لڑے لیکن مسلمانوں کے پُرجوش حملوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگے۔ مسلمان لڑتے لڑتے رستم کی نشست گاہ تک پہنچ گئے اب وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے حفاظتی دستے کو ساتھ لے کر مردانہ وار لڑا لیکن مسلمان سرفروشوں، ہاشم رضؓ قعقاع رضؓ عمرو رضؓ بن معدی کرب، قیس رضؓ بن اشعث اور ان کے ساتھیوں نے اس کے آہن پوش حفاظتی دستے کے پرخچے اڑادیئے اور وہ خود شدید زخمی ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہلال بن علقمہ نامی ایک مجاہد نے تعاقب کیا۔ رستم نے نہر میں چھلانگ لگادی۔ ہلال رضؓ نے ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا اور سر کاٹ کر لاش خچروں کے پاؤں میں ڈال دی۔ پھر وہ رستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے۔

"میں نے رستم کا کام تمام کر دیا ہے"

اس آواز کے سنتے ہی ایرانیوں کے ہوش و حواس بالکل جاتے رہے اور انہیں ایسی عبرت ناک شکست ہوئی کہ تخت کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔

(۵)

قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص اپنے لشکر کے ساتھ وہیں ٹھہر گئے تاکہ مجاہدین کی تھکن دور ہو جائے اور دربار خلافت سے بھی تازہ ہدایات موصول ہو جائیں۔ دو ماہ میں مسلمان تازہ دم ہو گئے اور دربار خلافت سے بھی ایران کے دارالسلطنت مدائن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم موصول ہو گیا۔ اسی اثنا میں حضرت سعد رضؓ کو اطلاع ملی کہ ایرانی بابل میں جمع ہو کر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ اطلاع ملتے ہی خواتین، بچوں اور معذوروں کو تو قادسیہ ہی میں چھوڑا اور ان کی حفاظت کے لئے چند فوجی دستے متعین کر کے باقی لشکر کے ساتھ بابل کا رخ کیا۔ مقدمۃ الجیش کے افسر زہرہ بن حواۃ تھے۔ وہ حضرت سعد رضؓ کے حکم کے مطابق پہلے روانہ ہو گئے۔ راستے میں برس کے مقام پر ایک ایرانی سردار بصیری ان کے مقابل ہوا۔ زہرہ نے اسے شکست فاش دی اور وہ بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے شہریوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور بابل تک دیلئے دجلہ اور اس کی نہروں اور ندیوں کے تباہ شدہ پل دوبارہ تیار کرنے میں مسلمانوں کو بڑی مدد دی۔ اس طرح اسلامی افواج بڑی تیزی سے بابل کے قریب جا پہنچیں۔ بابل میں مقیم ایرانی فوج مسلمانوں کی یلغار کی تاب نہ لا سکی اور بہت جلد ہتھیار پھینک کر شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت سعد رضؓ نے بابل میں قیام کیا اور زہرہ رضؓ بن حیوۃ کو حضرت ہاشم رضؓ کے ساتھ مدائن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔ زہرہ بسق نقاری سے آگے بڑھے اور کوثیٰ کو مسخر کرتے ہوئے مدائن کے قریب پہنچ گئے۔ یہ عظیم الشان شہر دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ مشرقی کنارے کی آبادی کو مدائن قصویٰ کہتے ہیں اور شاہی محل و دفاتر حکومت یہیں تھے۔

مغربی کنارے کی آبادی کو بہرشیر یا مدائن دنیا کہتے تھے۔ بہرشیر کو بعض مورخین نے ایک الگ شہر لکھا ہے لیکن فی الحقیقت وہ مدائن خاص کے متعلقات میں تھا اس کے قریب ساباط کی چھاؤنی تھی جس میں چیدہ ایرانی جانبازوں پر مشتمل ایک شاہی رسالہ رہتا تھا۔ اس رسالے کے جانباز ہر روز صبح اٹھ کر حلف اٹھاتے تھے کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہم سلطنت ایران کی حفاظت کریں گے۔ یزدجرد شاہ ایران نے اپنا ایک پالتو شیر بھی اس رسالے کے سپرد کر رکھا تھا کہ ضرورت پڑے تو اسے دشمن پر چھوڑ دیا جائے یہ رسالہ ساباط کے قلعے سے باہر نکل کر بڑے جوش وخروش سے مسلمانوں کے مقابل ہوا۔ کسریٰ کا شیر اس کے آگے آگے تھا وہ غرا کر مسلمانوں پر جھپٹا۔ حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ کو جوش آگیا انہوں نے آگے بڑھ کر اس صفائی سے تلوار کا ہاتھ مارا کہ شیر دو ٹکڑے ہو کر گر پڑا اس کے بعد مجاہدین نے ایرانیوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا بہت سے مارے گئے اور باقی نے بھاگ کر قلعہ بہرشیر میں پناہ لی۔ اسی اثناء میں حضرت سعدؓ بھی اپنی فوج کے ساتھ ساباط پہنچ گئے انہوں نے اپنے بھتیجے کی شیر افگنی کا حال سنا تو فرط مسرت سے ان کی پیشانی چوم لی اور ان کی جوانمردی کو بہت سراہا۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے بہرشیر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ کتنے عرصہ جاری رہا؟ اس کے بارے میں مورخین میں سخت اختلاف ہے بہرصورت چند ماہ کے محاصرے کے بعد بہرشیر مسخر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بہرشیر میں قیام کے بعد حضرت سعدؓ نے دریائے دجلہ عبور کر کے مدائن خاص (تیسفون) پر بھی قبضہ کر لیا اور یزدجرد شہر سے فرار ہو کر حلوان چلا گیا۔

علامہ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ فتح قادسیہ کے بعد حضرت سعدؓ نے حضرت ہاشمؓ بن عتبہ کو سوادِ دجلہ کے علاقوں کی تسخیر پر مامور کیا انہوں نے یہ مہم بڑی کامیابی سے سرانجام دی اس کے بعد وہ اشعث رضؓ بن قیس کی معیت میں دقوقا، خانیجار اور باجرمی کو فتح کرتے ہوئے آگے بڑھے اور سن بار کو عبور کر کے شہرزور کی سرحد تک پہنچ گئے۔ ادھر یزدجرد حلوان پہنچ کر پھر مسلمانوں کے خلاف پخت وپز میں مشغول ہو گیا اس کے حکم سے رستم کے بھائی خرزاد بن فرخ زاد نے جلولا کے مقام پر ایک بہت بڑا لشکر مرتب کیا اور بڑے زور شور سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری کی۔ حضرت سعدؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے سارے حالات حضرت عمر فاروقؓ کو لکھ بھیجے۔ وہاں سے حکم آیا کہ ہاشمؓ بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولا بھیج دو۔ اور ان کے ساتھ قعقاع بن عمرو کو مقدمۃ الجیش کا افسر بنا کر بھیجو۔

حضرت سعدؓ نے امیر المؤمنین کی ہدایت کے مطابق حضرت ہاشمؓ کو بارہ ہزار جانبازوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ ایرانیوں کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے مدافعت کی خوب تیاری کی۔ شہر کے گرد خندق کھود کر اس کے آس پاس گوکھرو بچھا دیئے اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت ہاشمؓ نے شہر کا محاصرہ کر لیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران میں ایرانی کئی دفعہ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں پر

حملہ آور ہوئے لیکن ہر بار منہ کی کھائی - عرب مورخین ایسے معرکوں کی تعداد اسّی بتاتے ہیں - شہر میں خوراک اور سامان حرب کا کافی ذخیرہ موجود تھا اور مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا مسلح جنگجو شہر کی حفاظت کر رہے تھے اس لئے ایرانیوں کے حوصلے بلند تھے - ایک دن وہ بڑے زور شور کے ساتھ قلعہ سے نکلے اور مسلمانوں پر لوٹ پڑے اتفاق سے اس وقت ایسی سیاہ آندھی اٹھی کہ اس نے زمین و آسمان کو ڈھانپ لیا - ایرانی افراتفری کے عالم میں پیچھے ہٹے تو قعقاعؓ فوج کے چند دستوں کے ساتھ قلعہ کے دروازے پر پہنچ گئے - یہاں اس زور کا رن پڑا کہ نوبت تیروں، نیزوں اور تلواروں سے گزر کر خنجروں تک پہنچی - دفعتہً غُل ہوا کہ سپہ سالار ہاشمؓ بھی ساری فوج کے ساتھ آپہنچے ہیں - اب قعقاع اور ان کے ساتھیوں نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے - اتنے میں ہاشمؓ بھی آپہنچے اور مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے ایرانیوں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا - طبری کا بیان ہے کہ اس معرکے میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے اور تین کروڑ کا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا -

یزدجرد نے سقوطِ جلولاء کی خبر سنی تو حلوان سے رَے بھاگ گیا - حضرت ہاشمؓ نے قعقاعؓ کو بھیج کر حلوان پر بھی قبضہ کر لیا - مورخین نے قادسیہ کے بعد جلولاء کے معرکے کو خاص اہمیت دی ہے اس کی فتح تمام تر حضرت ہاشمؓ کی کوششوں کی مرہون منت تھی -

حضرت ہاشمؓ کو حضرت علیؓ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی - حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد وہ ان کو سب سے بڑھ کر خلافت کا اہل اور مستحق سمجھتے تھے - انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی المناک خبر سنی تو فوراً جلیل القدر صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اب ہمیں اس امت کے بہترین انسان کے ہاتھ پر بیعت کر لینی چاہیئے - حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا ابھی جلدی کی کیا ضرورت ہے، لیکن حضرت ہاشمؓ کو ایک لمحہ کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی - اس وقت حضرت علیؓ مدینہ منورہ میں تھے اور حضرت ہاشمؓ کوفہ میں - انہوں نے اسی جگہ (عازم مدینہ ہونے سے پہلے ہی) اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ یہ علیؓ کا ہاتھ ہے اور یہ میرا میں بیعت کرتا ہوں - اس کے بعد وہ بسرعت تمام مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی - حضرت علیؓ کو بھی ان پر بے حد اعتماد تھا انہوں نے جنگِ جمل کی تیاری شروع کی تو حضرت ہاشمؓ کو حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ بھیجا کہ اہل کوفہ کو اپنی حمایت پر آمادہ کریں یہ اصحاب جس وقت کوفہ پہنچے وہاں کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مسجد میں لوگوں کو لڑائی سے بچنے اور گوشہ نشین ہو جانے کی تلقین کر رہے تھے - انہوں نے حضرت ابوموسیٰ سے کہا کہ اس قسم کا وعظ کرنے کے بجائے بہتر ہے کہ آپ اس مسجد کو چھوڑ دیں اور جہاں جی چاہے

چلے جائیں وہ خاموشی سے مسجد سے نکل گئے اور شام کے کسی گاؤں میں جاکر عزلت گزین ہوگئے ۔ جمل کی افسوس ناک لڑائی شروع ہوئی تو حضرت ہاشم رضؓ شروع سے آخیر تک حضرت علی رضؓ کے دست بازو بنے رہے جنگ جمل کے بعد انہوں نے امیر معاویہ رضؓ کے مقابلے میں حضرت علی رضؓ کی پرجوش حمایت کی اور صفین کے معرکوں میں شامی فوجوں کے خلاف سربکف ہوکر لڑے ۔ جنگ کے آخری دور میں ایک دن حضرت علی رضؓ نے فوج کا نشان (سب سے بڑا علم) حضرت ہاشم رضؓ کو مرحمت فرمایا ۔ وہ شاہ نشان ہاتھ میں لئے دن بھر لڑتے رہے ۔ جب شام ڈھل گئی تو ان کے ساتھی منتشر ہوگئے لیکن وہ چند جانبازوں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے دشمن کے ایک سپاہی نے ان کے پاؤں پر وار کیا جس سے ایک پاؤں کٹ کر الگ ہوگیا لیکن اللہ رے شجاعت کہ اس کے ٹھوئے پاؤں کو زمین پر ٹیک کر لڑتے رہے ایک شامی حارث بن منذر تنوخی نے موقع پاکر نیزے کا وار کیا جس سے پیٹ چاک ہوگیا لیکن انہں نے پھر بھی لڑائی سے ہاتھ نہ کھینچا ۔ اسی اثناء میں حضرت علی رضؓ کا قاصد پیغام لایا کہ اپنا دستہ آگے بڑھاؤ ۔ حضرت ہاشم رضؓ نے قاصد سے کہا " ذرا میری حالت دیکھتے جاؤ " ! قاصد نے ان کے پیٹ پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ جگہ جگہ سے چاک تھا ۔ قاصد کے پلٹتے ہی زمین پر گر پڑے اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی ۔

ان کی شہادت کے بعد حضرت علی رضؓ نے ان کے فرزند عبداللہ کو علمبردار بنایا وہ بھی شجاعت و شہامت میں اپنے باپ کی مثال تھے جب تک جنگ ختم نہ ہوئی پوری شان سے علمبرداری کا حق نباہتے رہے ۔

حضرت ہاشم رضؓ بن عتبہ علم و فضل کے اعتبار سے بھی اونچا مرتبہ رکھتے تھے لیکن ان کے نقوشِ سیرت پر شجاعت و بسالت کا پہلو اس قدر غالب آگیا کہ دوسرے اوصاف و محاسن نمایاں نہ ہوسکے ۔

علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" لکھا ہے کہ ہاشم رضؓ بڑے نامور بہادروں اور بلند مرتبہ فضلاء صحابہ رضؓ میں تھے ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بقیہ "وضع حدیث کے محرکات"

ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وضع حدیث کا فتنہ بھی اپنا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہا ۔ اس کے محرکات نیک اور بد دونوں تھے ۔ اس فتنہ سے علم حدیث کو بچانے کے لئے اس سے کہیں زیادہ مستعدی کی ضرورت تھی جتنی کہ ائمہ حدیث نے دکھائی ۔ چنانچہ ان کی بعض کمزوریوں کی بنا پر وضعی حدیثوں نے بھی حدیث کی امہات کتب میں جگہ پالی ۔

اس وقت دین میں تحقیق کرنے والے ہر شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات کی پوری پوری تسلی کرلے کہ وہ جس حدیث پر انحصار کر رہا ہے وہ واقعی حدیثِ رسول ہے اور کتاب اللہ کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے اور اس میں مبتدعین نے کوئی ملاوٹ نہیں کی ۔

(بشکریہ رسالہ تدبیر لاہور)

علامہ اقبالؒ

عید

از غلاماں لذت ایماں مجو

از غلاماں لذتِ ایماں مجو ؛ گرچہ باشد حافظِ قرآں مجو
مومن است و پیشۂ او آزری است ؛ دین و عرفانش سراپا کافری است
در بدن داری اگر سوزِ حیات ؛ ہست معراجِ مسلماں در صلات
ورنہ داری خوں گرم اندر بدن ؛ سجدۂ تو نیست جز رسمِ کہن

عید آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عید محکوماں ہجوم مومنیں

دو شعر

آل رضا

تو کیا کوئی صفت زلف مشکبو نہ کرے
حکایتاً بھی کوئی دل کی گفتگو نہ کرے
بڑے تو آئے کہیں کے وہ روٹھنے والے
اب اُن کے مارے کوئی دل کی گفتگو نہ کرے

اتحادِ اُمّت

رحمٰن بزمی

خاص برائے جلسۂ اتحاد منعقدہ مرکزی جامع مسجد لندن

۶ اگست ۱۹۸۳ء

ہم کہ اس دورِ فتن میں ہیں رہینِ ظلم و شر ؛ ماضیٔ مرحوم کا آئینہ دیکھیں اک نظر
ہاں وہ آئینہ کہ جو آئینۂ ایام تھا ؛ جس کی تابانی کے آگے ماند تھے شمس و قمر
ہاں وہ آئینہ کہ تھا عکاسِ تقدیرِ اُمم ؛ جس سے ہو جاتی تھی روشن عظمتِ نوعِ بشر
ہاں وہ آئینہ کہ جس کی سطح جوہردار پر ؛ دیکھتے تھے ہم فسونِ کافری کو بے اثر

ہاں وہ آئینہ کہ تھا سختی میں جو خارا شکن
جس کی ہیبت سے لہو ہوتا تھا ہیرے کا جگر

آج وہ آئینہ ہے آلودۂ گرد و غبار.... ؛ جس کی دھندلاہٹ سے اب روشن نہیں ہوتی نظر
آج اس آئینے میں آیا ہوا ہے بال بھی ؛ تھا جو کل سنگِ حوادث کے مقابل اک سپر
سرخیٔ خونِ مسلماں بھی اس آئینے میں ہے ؛ جس سے ہے تاریخِ انسانی کا دامن تر بتر
خاک و خوں میں لوٹتے ہیں رات دن اہلِ وفا ؛ گرم ہے بہر مسلماں کارزارِ قتل و شر
کھیلتے ہیں ریگنؔ و بیگنؔ جو خوں کی ہولیاں ؛ ہیں وہ چنگیز و ہلاکو کے ستم سے بیشتر

"ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو"
ارغوانی ہے زمینِ قدس و ہند و کاشمر

اک طرف ہم پر مسلط ہے شبِ فتنہ گری ؛ دوسری جانب ہمارے راہبر ہیں بے بصر
وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ؛ ہم کو احساسِ زیاں ہے اور نہ کچھ اس کی خبر
اس اندھیری رات میں ہر چشمِ حیراں کے لئے ؛ ہے فروزاں دین و ایماں کا چراغِ رہگذر!
اتحادِ اُمّتِ اسلام نصب العین ہو ؛ اب نہیں اس کے سوا اپنے لئے راہِ مفر

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

(تضمین بر علامہ اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سانیو

SANYO

ایئرکنڈیشنز- ریفریجریٹرز اور فریزرز
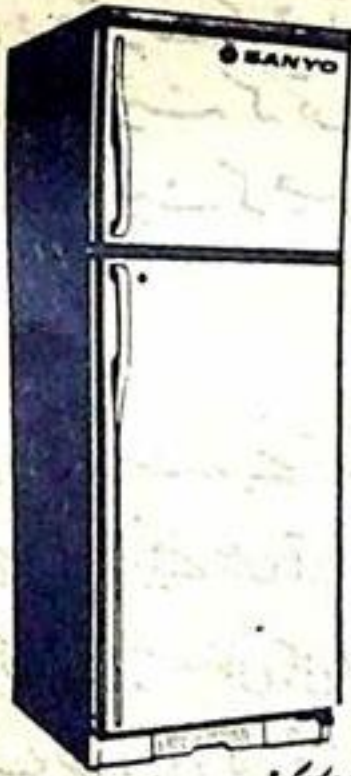
نوفراسٹ ریفریجریٹرز
نمایاں خصوصیات کے ساتھ
دو دروازے اندرونی تالے کے ساتھ
اشیاء کے ذخیرہ کرنے کی زیادہ گنجائش۔
نکاسی کے نظام کے ساتھ ایک نئی خصوصیت
دروازہ پر انڈیکیٹر پائلٹ لائٹ۔
چار خوشنما رنگوں (سبز، سنہرا، بادامی
اور سفید) میں دستیاب۔
ایک سال کی مفت سروس اور
کمپریسر کی پانچ سالہ گارنٹی۔

چیسٹ/اپ رائٹ فریزرز

ایئرکنڈیشنز
ٹھنڈا کرنے کی زیادہ صلاحیت، بجلی کا کم خرچ۔
گنجائش ۱½ ٹن (۱۸،۰۰۰ بی ٹی یو/ایچ)
بے آواز کارکردگی، سروس میں اعلیٰ
بہتر کارکردگی کے لئے آٹو ویلٹیج سے آراستہ، براؤن ٹیک میں بنش کی ہوئی جالی
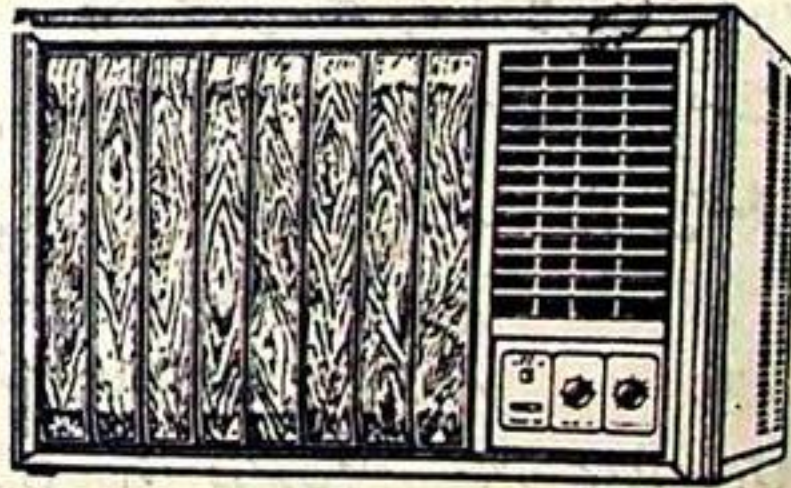
سانیو
کے تمام منظور شدہ ڈیلروں سے دستیاب

پاکستان میں تیار کردہ/اسمبل کردہ

کرم فرما خصوصی توجہ فرمائیں:
مندرجہ مصنوعات خریدتے وقت ورلڈ وائیڈ کمپنی کی جاری کردہ پانچ سالہ گارنٹی ضرور حاصل کریں تاکہ سروس بعد از فروخت کی مفت سہولت سے فائدہ اٹھا سکے۔

پاکستان میں سانیو کی تمام مصنوعات کے سول ایجنٹس:

ورلڈ وائیڈ ٹریڈنگ کمپنی
(سانیو سینٹر) گارڈن روڈ - صدر، کراچی فون: (پی اے بی ایکس) ۵-۵۲۵۱۵۱ (پانچ لائنیں)
کیبل: "WORLDBEST" ٹیلیکس: 25109 WWTCO PK

786 WW-110/83

عبدالرشید عراقی

مسجدِ نبویؐ کے اوّلین شہید

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دینِ توحید اور امتِ مسلمہ کی پاسبانی کا کام ایک پہاڑ تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ بوجھل یہ ناقابلِ برداشت بوجھ اسلام کے دو مخلص ترین فرزندوں نے متحد ہوکر اپنے کندھوں پر اٹھالیا - ان میں پہلی شخصیت حضرت ابوبکر صدیق رض کی تھی اور دوسری حضرت عمر فاروق رض کی -

حضرت ابوبکر صدیق رض کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں ایک طرف فراقِ رسولؐ کا غم کھائے جارہا تھا اور دوسری طرف اسلام اور امت کی فکر ان کے دل و دماغ کو پگھلا تی تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ وفاتِ نبویؐ کے بعد آپ رض صرف ۲½ سال زندہ رہ سکے - اس کے بعد یہ پورا بوجھ حضرت عمر فاروق رض کے کندھوں پر آگیا۔

نام و نسب اور خاندان

عمر بن خطاب نام، ابوحفص کنیت اور فاروق لقب تھا۔ آٹھویں پشت پر آپ رض کا سلسلۂ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے - حضرت عمر کا خاندان ایامِ جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا - سفارت کا عہدہ آپؓ کے خاندان میں تھا - (اصابہ ص ۵۱۸ ج ۲)

ہجرتِ نبویؐ سے ۴۰ سال قبل پیدا ہوئے - شباب کا آغاز ہوا تو شہسواری، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی - شہسواری میں خصوصاً کمال حاصل تھا - اور آپ نوشت و خواند سے بھی بہرہ مند ہوئے - (الاستعاب تذکرہ عمر بن خطاب رض)

تعلیم و تعلم سے فارغ ہوکر وہ فکرِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے اور تجارت کو ذریعہ معاش بنایا اور اس سلسلے میں کئی ممالک کے سفر اختیار کئے - ۲۷ سال کے تھے جب ریگستانِ عرب میں آفتابِ اسلام طلوع ہوا - اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی [illegible] - حضرت عمر رض کے لئے یہ آواز نہایت نامانوس تھی - اس لئے سخت برہم ہوئے اور جو شخص اسلام قبول [illegible] اور اس کو تکلیف پہنچانے سے

بھی دریغ نہ کرتے - لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا جو چڑھ کر اُتر جاتا - ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کرسکے (فتوح البلدان ص ۷۷)

اسلام حضرت عمرؓ قریش کے دو اکابر حضرت عمرؓ بن خطاب اور عمرو بن ہشام (ابوجہل) اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے - اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لئے اسلام کی دعا فرمائی -

"اے اللہ! اسلام کو عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطاب سے معزز کر۔ (جامع ترمذی)

مگر یہ دولت تو قسام ازل سے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی - اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جاں نثار بن گیا - یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوگیا - اس وقت تک ۴۰ یا اس سے کم و بیش آدمی اسلام قبول کر چکے تھے - لیکن وہ نہایت بے لبسی و مجبوری کے عالم میں تھے - حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعتہً" حالات بدل گئے - انہوں نے برملا اپنے اسلام کا اعلان کیا - حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے قبل مسلمان خانہ کعبہ میں نماز ادا نہیں کرسکتے تھے لیکن آپ کے اسلام لانے سے مسلمان دلیر ہو گئے - اور خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے لگے - (ابن سعد ص ۱۹۳ ج ۱)

یہ پہلا موقعہ تھا کہ حق باطل کے مقابلے میں سربلند ہوا اور اسلئے انکو دربار نبوتؐ سے فاروق کا لقب عطا ہوا -

ہجرت مکہ مکرمہ میں دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی - اور اس کے ساتھ ساتھ مشرکین مکہ کی طرف سے ان پر ظلم و ستم میں بھی اضافہ ہو رہا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی - حضرت عمرؓ نے جب ہجرت فرمائی تو اعلان کر کے مدینہ کی جانب روانہ ہوئے - اور مدینہ جانے سے پہلے آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور نماز پڑھی - اس کے بعد مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا - میں مدینہ جا رہا ہوں - اگر کسی میں مقابلہ کی ہمت ہے تو سامنے آئے اور مجھے روکے - لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی اور آپ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے - (زرقانی ص ۱۷۱ ج ۱)

مدینہ میں اسلام بے بس و مجبور نہ تھا - بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا - اور اب وقت آگیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں - مسلمانوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا - اور مسلمان مدینہ منورہ میں دور دور تک آباد ہو گئے تھے - اس بناء پر ضرورت محسوس ہوئی کہ اعلان نماز کا کوئی طریقہ

معین کیا جائے - اسی سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ لیا - کہ کس طرح مسلمانوں کا بیج وقتہ اجتماع کیا جائے - کسی نے آگ جلانے کی رائے دی، کسی نے ناقوس بجانے کو کہا - حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ ایک آدمی اعلان کے لئے کیوں نہ مقرر کردیا جائے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضہ کی رائے سے اتفاق کیا اور اسی وقت آپؐ نے حضرت بلال رضہ کو اذان کا حکم دیا - اس طرح اسلام کا ایک شعار اعظم حضرت عمر رضہ کی رائے کے موافق قائم ہوا - جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا - (صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان)

غزوات میں شرکت

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا - حضرت عمر رضہ اس جنگ میں شریک ہوئے اور ہر موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو اپنے تدبر اور فراست سے استحکام بخشا - عاص بن وائل جو رشتہ میں آپ کا ماموں تھا آپ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا - یہ بات حضرت عمر رضہ کی خصوصیات میں شامل ہے کہ اسلام کے مقابلے میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے - آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے - (ابن جریر ص ۵۰۹)

غزوۂ احد، غزوہ خندق، جنگ خیبر اور دوسرے غزوات میں حضرت عمر رضہ کی شرکت کی تاریخ گواہی دیتی ہے - سنہ ۳ھ میں غزوہ احد کا معرکہ ہوا - اس غزوہ کے بعد حضرت عمر رضہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں -

سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا - اور آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارا ارادہ لڑائی کا نہیں اس لئے کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے - مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کفار نے روکا - اس لئے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمان بن عفان رضہ کو سفیر بنا کر بھیجا گیا - چنانچہ مشہور کردیا گیا - کہ حضرت عثمان رضہ شہید کردیئے گئے ہیں - آپ نے ایک درخت کے نیچے ۱۴ سو مسلمانوں سے جہاد پر بیعت لی - اس بیعت میں حضرت عمر رضہ موجود تھے - (بخاری کتاب المغازی غزوہ حدیبیہ)

قریش مکہ اس بات پر مصر تھے - کہ مسلمان مکہ میں اس سال داخل نہ ہوں - آخر فریقین میں ایک معاہدہ ہوا جس میں ایک شرط یہ بھی تھی - کہ مسلمانوں کا جو آدمی مکہ چلا جائے - وہ واپس نہیں ہوگا - اگر کفار کا کوئی آدمی مسلمانوں کے ساتھ آ ملے - تو اس کو واپس کیا جائے - حضرت عمر رضہ کی غیور طبیعت اس شرط سے بہت مضطرب ہوئی آپ نے اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور کہا جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا - میں اللہ کا پیغمبر ہوں - اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہیں کرتا - حضرت عمر رضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی

اور آپ نے کفارے میں کچھ خیرات کیا - (بخاری کتاب الشروط فی الجہاد و المصالحۃ مع اہل الحرب)

غرض کہ معاہدہ لکھا گیا - اور اس معاہدہ پر حضرت عمرؓ نے بھی دستخط ثبت کئے -

جنگ حنین اور جنگ تبوک میں بھی حضرت عمرؓ نے شرکت کی اور جنگ تبوک میں آپ نے اپنے غلاموں، مال املاک کا آدھا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا -

سنہ۱۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا - آپ کے انتقال سے حضرت عمرؓ بہت غمگین ہوئے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے - ان کی خلافت کی مدت ۲½ برس ہے - عہد صدیقی میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے - سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے اور ہر کام آپؓ کے صلاح و مشورے سے انجام پایا (بخاری کتاب الواب فضائل قرآن باب جمع القرآن)

خلافت اور فتوحات حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی - اور حضرت عمر فاروق مسند آرائے خلافت ہوئے - حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہوکر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا - سنہ۱۲ھ میں عراق فتح ہو چکا تھا - سنہ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں داخل ہو چکی تھیں - ان مہمات کا آغاز ہوا ہی تھا کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے انتقال کیا حضرت عمر فاروق نے عنان حکومت سنبھالتے ہی ان مہمات کو تکمیل تک پہنچایا - عراق، شام فتح ہوکر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے - بیت المقدس فتح ہوا اور اس کی چابی وصول کرنے کے لئے حضرت عمر فاروق بیت المقدس پہنچے - آپ پہلے مسجد میں پہنچے - اس کے بعد عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی - نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز کی اجازت دی - لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اس لئے گرجا میں نماز ادا نہ کی کہ آئندہ نسلیں اس کو مسجد قرار دیکر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں۔ (فتوح البلدان ص ۱۴۷)

بیت المقدس سے واپسی پر حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا - سرحدوں کا معائنہ کرکے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر و خوبی مدینہ واپس تشریف لائے -

حضرت عمرو بن العاص نے بہ اصرار حضرت عمر فاروق سے اجازت لے کر مصر پر چڑھائی کی - اور اس کو فتح کرکے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔ اور بے شمار قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے -
(مقریزی ص ۲۶۷)

فاروقی کارنامے مسلمانوں نے اپنے جوش، ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمر فاروق کے عہد میں روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا - کیا تاریخ ایسی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند

...صحرا نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو۔
جو حکومتیں ظلم و تعدی کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں وہ دیرپا نہیں ہوتیں - روم اور ایران کی سلطنتیں ظلم و تعدی
...کی بنیاد پر قائم ہوئی تھیں اس لئے ان کا خاتمہ جلد ہو گیا - اس کے برخلاف حضرت عمر فاروق رضؓ نے جو وسیع سلطنت
...قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی اس لئے وہ آج ۱۴ سو سال کے بعد بھی اسی طرح
...ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے -

نظام خلافت اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت صدیق اکبر رضؓ کے عہد سے شروع ہوا - اور
...ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بڑے بڑے کام انجام پائے - لیکن باقاعدہ حکومت کا انتظام حضرت عمر رضؓ کے عہد میں ہوا
...اور حکومت کے نظام کو باقاعدگی عطا کی گئی۔
اولین مجلس شوریٰ قائم کی - تمام ملکی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق
...اور کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ ہوتا تھا۔
مجلس شوریٰ کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں۔
حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضؓ، حضرت معاذ بن جبل رضؓ - اور حضرت زید بن
...ثابت رضؓ (کنز العمال ص ۱۳۴ ج ۳)
خلیفہ وقت کے اختیارات کتنے اور کیا تھے - اس کے متعلق حضرت عمر رضؓ نے اپنے دس سالہ دور میں کئی
...بار وضاحت کی اور کہ حکومت کے نظم میں ان کی کیا حیثیت ہے - نمونہ کے لئے ایک تقریر کے چند فقرے درج
...ذیل ہیں -

"مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے - جس طرح یتیم کے مال
میں اس کے مربی کا ہوتا ہے - اگر میں دولت مند ہوں گا - تو کچھ
نہ لوں گا - اگر صاحب حاجت ہوں گا - تو اندازہ سے کھانے کیلئے
لوں گا - صاحبو! میرے ذمے تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا
تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیئے - ایک یہ کہ ملک کا خراج
اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے - ایک یہ کہ
تمہارے روزینے بڑھاؤں - اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ
رکھوں - اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔"
(کتاب الخراج ص ۶۷)

حضرت عمر فاروق اپنے عہدِ خلافت میں جو زریں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:۔

۱:۔ احتساب کا محکمہ قائم کیا۔ احتساب یعنی یہ کہ خلیفہ وقت حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت کرے۔ حضرت عمرؓ اس کو نہایت اہتمام سے انجام دیتے تھے۔

۲:۔ جیل خانے قائم کئے۔

۳:۔ بیت المال کا قیام عمل میں آیا۔ اس سے پہلے بیت المال نہ تھا۔ جو کچھ آتا تھا تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

۴:۔ محکمۂ تعمیرات قائم کیا گیا۔ اور اس محکمہ نے آپ کے عہد میں بہت ترقی کی۔

۵:۔ مستعمرات یعنی نوآبادیاں قائم کی گئیں۔ عہدِ فاروقی میں جو نئے شہر آباد ہوئے ان کی فہرست یہ ہے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ فسطاط۔ موصل، جیزہ (معجم البلدان ج ۷)

۶:۔ فوج کا نظام قائم کیا گیا۔ اور فوج کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی مہیا کیا جانے لگا۔ (فتوح البلدان ص ۴۸)

مذہبی خدمات

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں اشاعتِ اسلام سب سے بڑا کام ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے لا اکراہ فی الدین کے تحت تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے یہ فریضہ انجام دیا اور اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعار اسلامی کی ترویج تھی۔ اس کے متعلق حضرت عمرؓ کی مساعی کا سلسلہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ قرآن مجید جو اساس اسلام ہے۔ حضرت عمرؓ کے اصرار سے ہی کتابی صورت میں عہد صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ان کے عہد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ معلمین، حفاظ اور موذنوں کی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

علامہ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) سیرۃ العمر میں لکھتے ہیں:۔

> ان عمر بن الخطاب و عثمان کان یرزقان، لموذنین والائمۃ والمعلمین۔
>
> حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ موذنوں، اماموں اور معلموں کو تنخواہیں دیتے تھے۔

اصولِ اسلام میں قرآن کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ہیں۔ اس سے متعلق امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

> • احادیث نبویؐ کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو۔ مشاہیر صحابہ کرامؓ

کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ چنانچہ
حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ
روانہ کیا۔ عبداللہؓ بن مغفل رضؓ، عمران بن حصین رضؓ اور
مقصل بن یسار رضؓ کو بصرہ بھیجا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضؓ
اور حضرت ابوالدرداء رضؓ کو شام روانہ کیا۔"
(ازالہ الخفاء ص ٦ ج ٢)

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے ـــ حضرت عمر رضؓ اپنے خطبات وتقاریر میں مسائل فقہ بیان کرتے تھے اور دوسرے ممالک میں مسائل فقہ لکھ کر بھیجتے تھے۔ اضلاع میں جو افسر مقرر کئے جاتے تھے۔ اس میں ایسے شخص کو ترجیح دی جاتی تھی جو مسائل فقہ سے کما حقہ واقف ہو۔ اور فقہ کی تعلیم دینے والوں معلمین کو باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ (اسد الغابہ)

عدل و انصاف خلافتِ فاروقی رضؓ کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے۔ ان کے عہد میں کبھی سرمو بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا۔ شاہ وگدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کے لئے ایک ہی قانون تھا۔ تاریخ میں آپؓ کے عدل و انصاف کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمر رضؓ نے تنخواہیں مقرر کیں۔ تو حضرت اسامہ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن عمر رضؓ سے زیادہ مقرر کی۔ حضرت عبداللہؓ نے اعتراض کیا۔ تو فرمایا!

"اسامہ تجھ سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز تھے"
(کنز العمال ص ۳۵۵ ج ٦)

غیر مسلم حضرات سے بھی پورا پورا انصاف کیا جاتا تھا۔ جب نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا گیا تو ان سے بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ اور انہوں نے آپ رضؓ کے حسن سلوک کی تعریف کی۔ (طبری ص ۲١٦۲)

علم و فضل اسلام سے قبل عرب میں نوشت وخواند کا رواج نہ تھا۔ بعثت نبویؐ کے وقت صرف سترہ آدمی ایسے تھے۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے اسی دور میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ (بلاذری ص ۴۷۷)

حضرت عمر رضؓ کے خطبات، توقیعات اور فرامین اب تک کتابوں میں موجود ہیں ان سے ان کی قوتِ تحریر، برجستگی کلام اور زورِ تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ بیعتِ خلافت کے وقت آپ رضؓ نے

جو خطبہ دیا ۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے :۔

"اے اللہ میں سخت ہوں ۔ تو مجھ کو نرم کر ۔ میں
کمزور ہوں مجھ کو قوت دے ۔ ہاں عرب والے سرکش
اونٹ ہیں ۔ جن کی مہار میرے ہاتھ میں دیدی گئی
ہے ۔ لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑ دونگا"

(سیر الصحابہ ص ۱۴۸ ج ۱)

حضرت عمرؓ فطرتاً ذہین، طباع اور صائب رائے تھے ۔ اصابت رائے کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں ۔ اذان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا ۔ اسیران بدر کے متعلق جو رائے انہوں نے دی وحی الہیٰ نے اس کی تائید کی ۔ شراب کی حرمت، ازواج مطہراتؓ کے پردے اور مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رائے دی تھی ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۲)

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہ کرتے تھے ۔ کلالہ کا مسئلہ جو نہایت دقیق اور مشکل ہے ۔ کئی بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ۔ (تفسیر ابن جریر ص ۲۵ ج ۶)

فقہ کی ترقی و ترویج بھی حضرت عمرؓ کے دور میں ہوئی ۔ آپؓ سے فقہی مسائل کی اتنی تعداد منقول ہے ۔ کہ اگر ان کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے ۔ مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لئے اجماع صحابہؓ جس کثرت سے عہد فاروقی میں ہوا پھر نہیں ہوا ۔ (تذکرہ الحفاظ)

اخلاق وعادات — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھی ۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

صحابہ کرامؓ کو براہ راست اس سرچشمۂ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا ۔ اس لئے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا ۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ کو بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو تقرب حاصل تھا ۔ اس کے لحاظ سے ان کو زیادہ حصہ ملا ۔ وہ محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے ان کے آئینہ اخلاق میں خلوص، رجوع الی اللہ لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی تواضع اور سادگی کا عکس سب سے نمایاں نظر آتا ہے ۔ یہ اوصاف آپؓ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص آپؓ کی صحبت میں رہتا تھا ۔ وہ بھی کم و بیش اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا ۔

خوفِ خدا اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصل سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ حضرت عمرؓ اس وصف میں اپنی مثال آپ تھے۔ امام حسن رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت قرآنی

ان عذاب ربك لواقع ماله من دافع

تیرے رب کا عذاب یقینی ہونے والا ہے۔ اور اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں پر پہنچے تو۔ (کنزالعمال ص ۲۴۷ ج ۶)
اتنا روئے کہ آنکھیں سوج گئیں۔

حُبِّ رسولؐ اور اتباعِ سُنّت تہذیبِ نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کیلئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل میں مبدأ خلق عظیم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص محبت اور اتباع سُنّت کا صحیح جذبہ پیدا کرے۔ جو دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ رسولؐ کے جادہ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کونین سے متمتع نہیں ہو سکتا۔

آپ رضؓ جمال نبوتؐ کے سچے شیدائی تھے۔ ان کو اس راہ میں جان و مال، اولاد عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاص بن ہشام جو آپ رضؓ کا ماموں تھا۔ جنگ بدر میں ان کے ہاتھوں مارا گیا اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ تو پکار کر کہا۔ خدا کی قسم میں حفصہ رضؓ کی سفارش کے لئے **نہیں** آیا ہوں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں۔ (فتح الباری ص ۲۵۱ ج ۹)

زہد و قناعت دنیا طلبی اور حرص تمام بداخلاقیوں کی بنیاد ہے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی۔ یہاں تک کہ خود ان کے ہم مرتبہ معاصرین کو اعتراف تھا۔ کہ حضرت عمرؓ اس وصف میں سب سے آگے ہیں۔ (ابو داؤد کی کتاب الزکاۃ باب فی الاستعفاف)

تواضع حضرت عمرؓ کی عظمت شان اور رعب و داب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا عالم یہ تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لئے پانی بھرتے تھے۔ مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے تھے۔ پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے کسی گوشہ میں فرش خاک

پر لیٹ جاتے تھے۔ (کنز العمال ص ۳۵۳ ج ۶)

تشدد و ترحم حضرت عمر فاروق رضؓ کے بارے میں ارباب سیر لکھتے ہیں۔ کہ آپ سخت مزاج تھے۔ اور یہ ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ رحمدل بھی بہت تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کا غیظ و غضب اور لطف و رحم خدا کے لئے تھا۔ ایک موقع پر فرمایا۔

"واللہ! میرا دل خدا کے بارے نرم ہوتا ہے تو جھاگ
سے بھی نرم ہوتا ہے۔ اور سخت ہوتا ہے تو پتھر سے
بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ (ابن سعد)

رفاہ عام رفاہ عام کی سلسلے میں ذاتی حیثیت سے ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لئے وقف تھا۔ مجاہدین کی بیویوں کو بازار سے سودا سلف لا کر دیتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط اُن کے گھروں میں پہنچا آتے۔ تاریخ میں رفاہ عام کے سلسلے میں کئی ایک واقعات درج ہیں۔
(کنز العمال ص ۳۵۲ ج ۶)

خدا کی راہ میں دینا حضرت عمر رضؓ بہت زیادہ مال دار نہ تھے۔ تاہم انہوں نے خدا کی راہ میں جو کچھ دیا ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا۔ غزوۂ تبوک میں آپ نے اپنے مال و اسباب میں سے آدھا خدمتِ نبویؐ میں پیش کیا۔ (ترمذی)

مساوات کا خیال عہدِ فاروقی رضؓ میں شاہ و گدا، امیر و غریب، مالدار و مفلس سب ایک ہی حال میں نظر آتے تھے۔ خود ذاتی حیثیت سے مساوات کو اپنا شعار بنایا۔ خلافت کی حیثیت سے آپ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن مساوات کا یہ حال تھا کہ جب قیصر و کسریٰ کے سفیر آتے تھے تو پتہ نہیں چلتا تھا کہ خلیفہ کون ہے (کنز العمال ص ۳۱۷ ج ۳)

غیرت حضرت عمر رضؓ بالطبع غیور واقع ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی غیرت کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم، ترمذی اور صحاح ستہ کی تقریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایک عالی شان محل ملاحظہ فرمایا۔ جو حضرت عمر رضؓ کے لئے مخصوص تھا۔ آپ اس محل کے اندر صرف اس لئے تشریف نہ لے گئے، کہ آپ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپؐ نے حضرت عمر رضؓ سے اس کا ذکر فرمایا۔ تو

رو رو کر کہنے لگے۔ بابی انت امی اعلیک اغار (بخاری)
یعنی میرے ماں باپ قربان ہوں کیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں غیرت کروں گا۔

ذریعۂ معاش ذریعۂ معاش تجارت تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کر دی تھی لیکن خلافت کا بار پڑنے سے یہ مشاغل چھوڑ دیئے اور بیت المال سے معمولی تنخواہ لے کر گزارہ کر لیتے تھے۔ (فتوح البلدان)

شہادت ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو صبح کو مسجد نبوی میں آپ رضی اللہ عنہ نماز فجر کی جماعت کرا رہے تھے کہ فیروز نامی مجوسی المذہب شخص جو حضرت مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ کا غلام تھا۔ اس نے دو دھارے خنجر سے آپ کو زخمی کیا۔ آپ زخمی ہو کر گر پڑے۔ اسی حالت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ نماز کے بعد آپ کو گھر لے جایا گیا۔ طبیب کو بلایا گیا اس نے دودھ اور نبیذ پلایا۔ مگر یہ دونوں چیزیں زخم کے راستے سے باہر آ گئیں۔ اس سے اندازہ ہو گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ جانبر نہ ہو سکیں گے چنانچہ یکم محرم ۲۴ھ کو آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن کئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون
حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ (مستدرک حاکم)
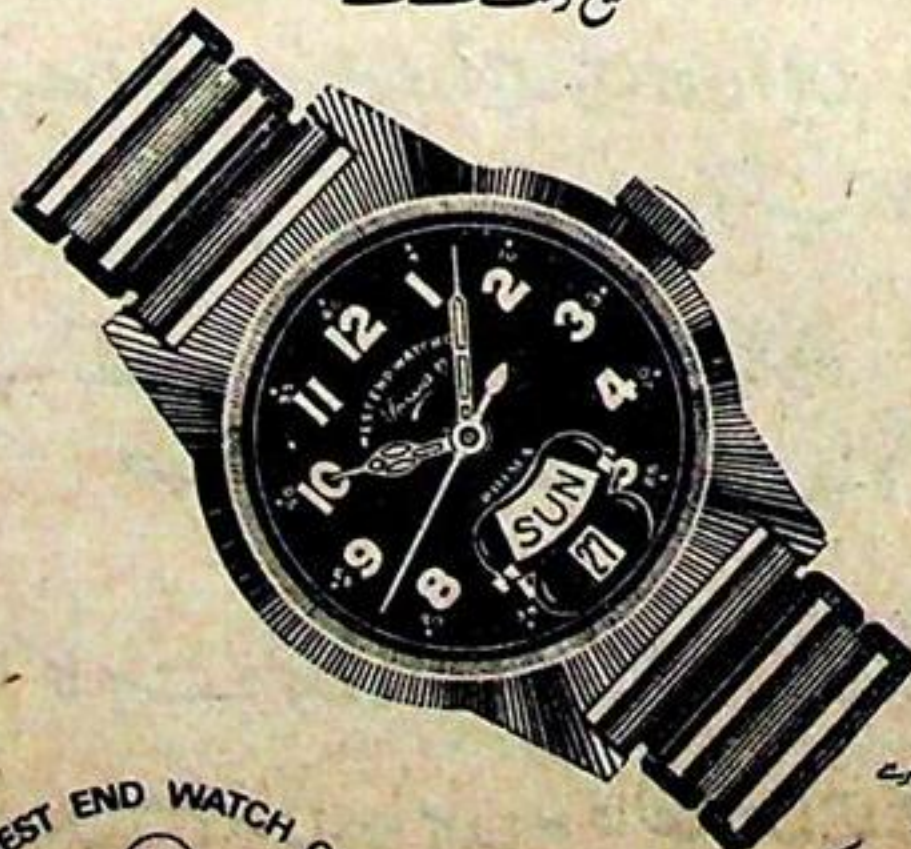
صبا متھراوی

تری نگاہوں کا نور بن کر تری نگاہوں میں چھپ رہا ہوں
گزند کیا دے گی مجھ کو دُنیا تری پناہوں میں چھپ رہا ہوں

چراغ ہوں تیری خلوتوں کا جمال ہوں تیری جلوتوں کا
میں تیرا پرتو ہوں، تیری ہر رنگ جلوہ گاہوں میں چھپ رہا ہوں

جہاں چلے گا چلوں گا میں بھی جہاں رہے گا رہوں گا میں بھی
ترے خیالوں میں بس رہا ہوں تری نگاہوں میں چھپ رہا ہوں

قدم قدم پر ملیں گے تجھ کو مرے گمان و یقین فروزاں
نظر بچا کر گزرنے والے میں تیری راہوں میں چھپ رہا ہوں

یہ میرے آنسو ہیں میرے آنسو، یہ میری آہیں ہیں میری آہیں
پگھل کے اشکوں میں آ گیا ہوں تڑپ کے آہوں میں چھپ رہا ہوں

تری نگاہوں میں چھپ کے رہنا۔ عیاں ہی ہونا ہے میرا۔ پھر بھی
حسین و رنگیں، جمیل و روشن پناہ گاہوں میں چھپ رہا ہوں

خدا کا بندہ ہوں اے صبا میں خدا ہی کی بندگی کروں گا[1]
نہ بتکدوں میں نہاں ہوا ہوں نہ خانقاہوں میں چھپ رہا ہوں

---

[1] سبحان اللہ (مدیر فاران)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی عید

۹۹ھ ہجری میں حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز تخت نشین ہوئے۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے سے پہلے امیرانہ ٹھاٹ کا یہ حال تھا کہ جب آپ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا گیا تو تیس اونٹوں پر آپ کا ذاتی سامان تھا۔ خوش لباسی اور نفاست پسندی کا یہ حال تھا کہ جس لباس پر ایک مرتبہ کسی کی نظر پڑ جاتی پھر اسے نہ پہنتے تھے غرض کہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خوش لباس اور جامہ زیب آدمی مانے جاتے تھے۔ خلافت کا بار سر پر آتے ہی عمرؒ بن عبدالعزیز کی زندگی بالکل ہی بدل گئی اور تخت خلافت پر قدم رکھنے کے ساتھ ہی انہوں نے ابوذر غفاریؓ اور ابوہریرہؓ کا قالب اختیار کر لیا۔ مورخین انہیں عمرؓ ثانی کا لقب دیتے ہیں۔

آپؒ ہی کے دورِ خلافت کا ذکر ہے عید کا موقع تھا مسلمان عام طور پر خوشحال تھے۔ بڑی چہل پہل تھی کئی دن پیشتر ہی لوگ عید کی تیاریاں کرنے لگے۔ سب نے حسبِ استطاعت اپنے بال بچوں کے لئے نئے جوڑے بنوائے آرائش و زیبائش کے سامان فراہم کئے۔ جب عام لوگوں کی تیاریاں دیکھیں تو امیر المومنین کے فرزند لخت جگر اپنی ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بولے۔ امی جان کل عید ہے۔ سب لوگ اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے عید کا سامان کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس تو کوئی جوڑا کپڑوں کا ایسا نہیں ہے جو پھٹا ہوا نہ ہو اور پیوند نہ لگا ہوا ہو! ہمارے لئے بھی نئے کپڑے بنوا دیجئے آخر ہم ایسے پھٹے کپڑوں سے عید کیسے منائیں گے۔

ماں نے بہت سمجھایا، لیکن نہ مانے، ضد بڑھتی گئی، ساری رات اصرار کرتے رہے فجر کی نماز سے فارغ ہو کر امی جان "حضرت فاطمہ" مجبوراً "ان کو لے کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

خلیفہ بوسیدہ لباس زیب تن کئے مصلے پر بیٹھے گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ داڑھی بالکل تر ہو گئی تھی۔ حضرت فاطمہ نے یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوئیں۔ عرض کیا کہ امیر المومنین آج عید کا دن ہے تمام لوگ خوشیاں منا رہے ہیں ہر طرف چہل پہل ہے اور آپ ہیں کہ گریہ وزاری میں مصروف ہیں۔

خلیفہ:۔ فاطمہ رمضان کا پورا مہینہ گزر گیا کتنا خیر و برکت والا مہینہ تھا باری تعالیٰ نے تزکیہ نفس کیلئے کتنا اچھا موقعہ فراہم کیا تھا۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا ہم نے اس سنہری موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے اعمال کی اصلاح کی یا رمضان کا پورا مہینہ یونہی ضائع کر دیا۔ یہ کہتے ہی غشی طاری ہو گئی۔

امیرالمومنین تھے مگر گھر میں عطر تھا نہ عرق گلاب کے چھینٹے ڈالے گئے جب ہوش و حواس درست ہوئے تو آپ نے آنے کی وجہ دریافت فرمائی۔

فاطمہ:۔ بچوں نے ساری رات سونے نہ دیا۔ کل سے اصرار کر رہے ہیں کہ عید آگئی ہے نئے کپڑے بنوا دیجئے۔ میں نے بہت سمجھایا مگر کسی طرح مانتے ہی نہیں۔ یہی کہے جاتے ہیں کہ عید کے دن سب لوگ تو نئے نئے کپڑے پہنیں گے اور ہم لوگ امیرالمؤمنین کے بیٹے پرانے کپڑوں میں عید منائیں گے۔ مجبوراً ان کی درخواست لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔

خلیفہ:۔ فاطمہ! تم بھی جان بوجھ کر انجان بنتی ہو، میرے پاس اتنی رقم کہاں ہے جو ان کے لئے نئے کپڑے بنوا دوں تمہیں تو معلوم ہے کہ صرف دو درہم (تقریباً سات آنے) روزانہ بیت المال سے لیتا ہوں جو ہماری ناگزیر ضروریات کے لئے بھی بمشکل کفالت کرتے ہیں پھر بھلا نئے کپڑے کہاں سے آئیں گے۔

فاطمہ:۔ آپ امیرالمؤمنین ہیں بیت المال آپ کے ہاتھ میں ہے چاہیں تو کچھ رقم بیت المال سے لے سکتے ہیں۔

خلیفہ:۔ بیت المال میں جو کچھ ہے وہ میرا نہیں ہے۔ سارے مسلمانوں کا ہے۔ میں تو اس کا نگران اور محافظ ہوں۔ بغیر ان کی اجازت کے اس میں سے ایک حبہ بھی نہیں لے سکتا۔ کیا تم چاہتی ہو کہ بچوں کی جا بے جا خواہشات پوری کرنے کے لئے خائنوں میں اپنا نام درج کراؤں اور عذاب کا مستحق ٹھہروں۔

فاطمہ:۔ اچھا تو ایک ترکیب اور ہے ایک ماہ کا وظیفہ پیشگی لے لیجئے کپڑے بن جائیں گے مہینہ تو بھلا برا کٹ ہی جائے گا ان کی ضد پوری ہو جائے گی۔ بعد میں تھوڑی تکلیف ہی اٹھالیں گے۔

خلیفہ:۔ فاطمہ! کیا تمہیں یقین ہے کہ آئندہ ماہ تک بقید حیات رہوں گا؟ زندگی کا کیا اعتبار، موت سے کون انکار کر سکتا ہے آج ہی آجائے آخر کس یقین پر پیشگی وظیفہ لے لوں۔ جاؤ ان بچوں کو سمجھاؤ کہ دنیا کے عارضی عیش و نشاط پر نہ جاؤ۔ یہ نمائش چند روزہ ہے زرق برق لباس اور قیمتی کپڑوں کے لئے ضد نہ کریں آخرت کی تیاری کریں وہی دائمی اور ابدی زندگی ہے وہاں کا عیش و آرام مستقل و پائیدار ہے۔

خلیفہ کی باتیں سن کر حضرت فاطمہ واپس چلی گئیں اور بچوں سمیت سب نے پھٹے پرانے کپڑوں میں عید منائی اور صبر و توکل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس طرح مسلمانوں کے خلیفہ عمرؓ بن عبدالعزیزؒ نے اپنے بچوں کے ساتھ بالکل سادہ طریقے پر عید منائی۔ (بشکریہ ایشیا، لاہور)

غزل

شوقؔ ماہری (بھارت)

موجِ ہوا سے زلف جو آوارہ ہوگئی ؛ گستاخ اور حسرتِ نظارہ ہوگئی
اس چشمِ التفات کی شوخی نہ پوچھئے ؛ ثابت ہوئی کبھی کبھی سیارہ ہوگئی
اس انجمن میں اتنا نوازا گیا ہوں میں ؛ پاکیزگیٔ فکر بھی آوارہ ہوگئی
شرمندگی سے آنکھ میں آنسو کی ایک بوند ؛ ہر لغزشِ شباب کا کفّارہ ہوگئی

اے شوقؔ اب کی بار بہانہ کرو گے کیا
تم سے خطا اگر یہی دوبارہ ہوگئی

علم و ادب سے شغف رکھنے والوں کے لئے خاص تحفہ

یادِ رفتگاں (حصہ اوّل)

مولانا ماہر القادری رح

اس کتاب میں نابغۂ ادب مولانا ماہر القادریؒ نے "رفتگاں" کا تذکرہ کرتے ہوئے برصغیر ہندو پاک کے بے شمار ادبی واقعات بیان کر دیئے ہیں۔

- ــــ ہر مکتبۂ فکر کی شخصیات پر دلچسپ مشاہدات، تاثرات، تذکرے اور تبصرے
- ــــ مضبوط جلد، خوبصورت گردپوش، معیاری کتابت و طباعت

قیمت ۴۲/- روپے

البدر پبلی کیشنز ۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور نمبر ۲

BRECAST INDUSTRIES LIMITED
RUKNUDDIN GROUP OF COMPANIES
PRESENT
a new concept in modern living

Gulshan-e-Omair

Self Contained Township With All Amenities
PRECAST LUXURY BUNGALOWS
ON 160 SQ. YARDS PLOTS IN K.D.A. SCHEME 33 (SECTOR 42-A)

N.O.C. No. MP/DCB (D) 770/ADV/530/84 dated 4.6.1984

BOOKING Rs. 10,000 only
Remaining in monthly instalments with loan facility
Total Cost Rs. 2,35,000

SALIENT FEATURES :-

TOWNSHIP
- Transportation
- School
- Mosque
- Community Centre
- Dispensary
- Park
- Playgrounds

BUNGALOWS
- Earthquake proof
- Located on main University Road
- Ideal Surroundings
- Two bedrooms with attached baths and built-in cupboards
- Spacious drawing/dining
- Modern Kitchen
- Mosaic flooring
- Concealed wiring
- Hot & Cold water lines
- Separate underground & overhead water tanks
- Open staircase (at additional cost)
- Design provides for an additional floor

Type of Plot	R
Size	30 ft x 48 ft
Covered area	906 sq ft
Number of Bungalows	332
Last date of handing over possession	30-6-1986

BRECAST INDUSTRIES LTD.
For booking contact any of the following offices of
RUKNUDDIN GROUP OF COMPANIES

(1) First Floor, Erum Cinema Bu… [illegible] Federal Capital Area, Karachi.
Phones :- 681510-680676
(2) 4th Floor, Bambino Chambers, Garden Road, Karachi.
Phones :- 521594 - 525326 - 528514 - 525325
526575 - 528096
(3) Prince Complex, near Clifton Bridge, Main Clifton Road, Karachi.
Phones :- 510730 - 526360
(4) Site Office: Sector 42-A, University Road, Karachi.
P.O.BOX 7368 • Telex.-24102 RUKUN PK

Orient

اصولِ تدبرِ حدیث

امین احسن اصلاحی

وضعِ حدیث کے محرکات

امتِ مسلمہ اپنی تاریخ میں گوناگوں یلغاروں سے دوچار رہی ہے لیکن وضعِ حدیث کا فتنہ ان یورشوں میں جداگانہ حیثیت کا حامل ہے اس لیے کہ معاندینِ اسلام نے قرونِ اولیٰ میں اس کے ذریعے چاہا کہ علمِ رسول کا نہایت شاندار اور بے مثال ذخیرہ اگر معدوم نہیں تو کم از کم مسخ ضرور ہو جائے۔ خدا ئے بزرگ و برتر ہمارے ان عظیم سپوتوں کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے جنہوں نے ائمۂ فنِ حدیث کی شکل میں علمِ رسول کا دفاع کیا اور اپنی جانکاہ کوششوں سے بڑی حد تک اس کو غل و غش سے پاک کرنے کا اہتمام کیا۔ ہمارے ان اکابرین نے ان چور دروازوں کی نشان دہی کی جن راستوں سے ضعیف حاشیے صحیح حدیثوں میں شامل ہو گئیں۔ اس فتنے کی سنگینی کا اندازہ آپ اس امر سے لگائیے کہ اس دور میں جو جو بھی احادیثِ رسول کے مجموعے مرتب ہوتے وہ لاکھوں روایات کے انبار سے چند ہزار روایات سے زیادہ کی شکل میں ہمارے محدثین کی کسوٹی پر پورے نہ اتر پاتے۔ چنانچہ یہ امر متقاضی ہے وضعِ حدیث کے محرکات کا بھرپور جائزہ لیا جائے اور یہ جانا جائے کہ صحیح اور قابلِ اعتماد حدیثوں میں ضعیف، کمزور اور ناقابلِ اعتماد حدیثیں کن راستوں سے ملی ہیں اور اس فتنے کی نوعیت کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اگر آدمی اس فتنے کی ٹھیک ٹھیک نوعیت سے واقف نہ ہو تو اس کے مقابلہ کے لیے اتنی مستعدی نہیں دکھا سکتا جتنی کہ ضروری ہے۔

وضعِ حدیث کے اسباب:

اصولِ حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وضعِ حدیث کے اسباب نیک اور بد دونوں قسم کے رہے ہیں اور ان دونوں ہی راستوں سے جو حدیثیں وضع ہوتی ہیں وہ دین کے لیے یکساں مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ گویا اصل دین کے بگاڑنے اور اسے مسخ کرنے میں اس قبیل کی دونوں قسم کی حدیثوں کا رول اپنے نتیجہ کے اعتبار سے ایک ہی رہا ہے۔ نیک راستے سے آنے کی وجہ سے ایسا نہیں ہوا ہے کہ وہ موضوع روایات اس

فن کے لیے مصنوعی ہوں۔ مصنوعی تو بہرحال دونوں ہی قسم کی موضوعات ہوئی ہیں، بلکہ نیکی کے راستے سے جو آئی ہیں ان کی ہلاکت کچھ زیادہ ہی ہے۔

وضعِ حدیث کے نیک محرکات:

وضعِ حدیث کے دو بڑے نیک محرکات کا سراغ ملتا ہے۔ ایک قرآن کی طرف لوگوں کو راغب کرنے کے لیے سورتوں کی تلاوت کے فضائل بیان کرنا، دوسرا ان میں آخرت کا خوف پیدا کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کی روایتیں بیان کرنا، دوسرے محرکات انہی کے تحت آجاتے ہیں۔

نیک مقصد سے وضعِ حدیث کی پہلی شکل:

نیک راستے سے جو حدیثیں وضع ہوئی ہیں اس کی ایک مثال تو یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس لیے حدیثیں گھڑیں کہ اس طرح اپنے زعم میں انہوں نے دین کی کوئی خدمت کرنی چاہی۔ مثلاً قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے فضائل میں جو روایات ملتی ہیں وہ اکثر وضعی ہیں۔ ان روایتوں کے مطابق ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک سورہ بھی اگر پڑھ لی جائے تو اس کے بعد کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے اتنے فضائل کا بیان ملتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ اتنی فضیلت کا استحقاق صرف ایک سورہ کے پڑھنے سے حاصل ہو جاتا ہے جب کہ اس پر غور و فکر کرنے اور اسے سمجھنے کی بھی کوئی شرط نہیں ہے۔

اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ نماز کے متعلق اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد ہے کہ نماز میں سے بندے کا حصہ اتنا ہی ہے جتنا کہ "ما عقل منہ" (وہ سمجھے)۔ اسی طرح قرآن مجید نے واضح طور پر آیات میں غور و فکر اور تفکر و تدبر کو ضروری قرار دیا ہے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس میں محض حصول برکت یا ثواب کی خاطر تلاوت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔

اس نوعیت کی وضعی احادیث کی مقبولیت کا حال یہ ہے کہ مشہور مفسر زمخشریؒ نے اپنی تفسیر کشاف میں کم و بیش ہر سورہ کے آخر میں اس کے فضائل کو نقل کرنے کا التزام کیا ہے اور ان کا یہ اہتمام ہمیں شروع سے آخر تک ملتا ہے، حالانکہ معتزلی ہونے کے ناطے وہ عقلیت کے بھی مدعی ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس موقع پر ان کی عقلیت پسندی کو کیا ہو جاتا ہے۔

اصحابِ فن نے ان روایتوں کی تحقیق کی اور بالآخر اس کے واضع کا سراغ لگا ہی لیا۔ جب ان کے گھڑنے والے کا پتہ چلا اور اس سے سوال کیا گیا کہ اس نے اس گناہ عظیم کا بار اپنے سر کیوں لیا تو اس نے جواب دیا کہ جب

میں نے دیکھا کہ لوگ امام ابوحنیفہ (علیہ الرحمۃ) کی فقہ پر ٹوٹے پڑے ہیں تو میں نے یہ روایتیں گھڑیں تاکہ لوگوں کو قرآن کی طرف متوجہ کروں۔ بظاہر تو یہ مقصد نیک تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایسی حدیثیں چل پڑیں اور ہمارے بعض اکابرین بھی ان کے رواج پانے کا باعث بنے جب کہ اہل فن کے نزدیک بھی یہ روایات موضوع ہیں اور خود ان کے واضع نے بھی اعتراف کرلیا کہ یہ روایتیں اس نے وضع کی تھیں۔ ان احادیث سے لوگ قرآن کی طرف کیا مائل ہوتے الٹا اس سے عامۃ المسلمین میں یہ رجحان پیدا ہوا کہ قرآن کو سمجھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا اصل مطلوب نہیں؛ بلکہ بے سوچے سمجھے اس کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرلینا ہی اصل کام ہے۔

نیک مقصد سے وضعِ حدیث کی دوسری شکل:

اسی طرح ایک گروہ نے جو اخیار اور صالحین کے زمرے میں آتا ہے، اپنے صوفیانہ مزاج کی بدولت ترغیب ترہیب کے قسم کی بے شمار روایات گھڑ ڈالیں۔ بادی النظر میں ان کا مقصد لوگوں کو آخرت کا ڈر اور خوف دلانا اور ان کے اندر دین کی طرف شوق اور رغبت پیدا کرنا تھا۔ ان حضرت پر جب ان بے بنیاد روایات کے سبب سے اعتراضات ہوئے تو اپنے دفاع میں انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ ان روایتوں سے مقصود لوگوں کو نیکیوں کی ترغیب دینا اور برائیوں سے بچانا ہے' اس وجہ سے ان کو سند اور روایتِ حدیث کی ان پابندیوں سے آزاد ہونا چاہیے جو محدثین نے قائم کر رکھی ہیں۔

ہمارے محدثین نے اس گروہ کا مقابلہ کرنے کی بجائے اس کے آگے ڈگ ڈال دی اور انہوں نے غالباً اس گروہ کے اس موقف کو صحیح تسلیم کرلیا چنانچہ انہوں نے اپنی تحقیقی داروگیر کو صرف احکامی روایات تک محدود کرکے اس گروہ کو ہر قسم کی رطب و یابس چیزیں پھیلانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا۔ ان کا رعب اور ہیبت اتنی چھاگئی کہ انہوں نے گویا غلبہ سا پالیا۔ اسی گروہ کی پھیلائی ہوئی وہ روایات ہیں جن سے تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس موضوع پر ہم مفصل بحث اپنے مقالہ "سند کی عظمت اور اس کے بعض محزور پہلو" میں کرچکے ہیں۔

ہمارے نزدیک یہ ایک بڑی شدید غلط فہمی تھی جس میں ان صوفی لوگوں نے ہمارے محدثین کو مبتلا کردیا۔ وقت نے ان کے ان معصومانہ اندازوں کو غلط ثابت کردکھایا ہے۔ اب اگر صوفیوں کی کتابیں پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے تمام مبتدعانہ عقائد و نظریات کی تائید میں یا تو آیاتِ قرآن کی باطنیہ کے طرز کی تاویلات پیش کرتے ہیں یا ایسی روایات جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ حال صرف عام صوفیوں ہی کا نہیں بڑے صوفیوں کا بھی ہے۔

امام غزالیؒ بڑے صاحبِ علم ہیں اور ان کی کتاب "احیاء علوم الدین" تصوف اور تزکیہ کی اعلیٰ ترین کتابوں میں گنی جاتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس امت کے اکابرین میں حدیث نقل کرنے میں ان سے بڑھ کر

غیر محتاط آدمی شاید مشکل ہی سے کوئی ملے۔

بظاہر تو یہ کہا جاتا ہے کہ ان روایات کا تعلق صرف ترغیب وترہیب سے ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ زندگی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہونے والی ہیں، یہاں تک کہ دین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، قیامت وغیرہ بھی ان کی زد سے نہیں بچے ہیں اور ایسا ہونا ممکن بھی نہ تھا۔ اسلام ایسا دین ہے جس کے تمام شعبے ایک دوسرے سے اس طرح مربوط ہیں کہ ان کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے سارے شعبوں کے باہم مربوط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقائد، احکام اور حکمتِ دین وغیرہ سب کے سب ہر جگہ یکساں طریقے پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور ان کو ایک دوسرے سے الگ کرنا ممکن نہیں۔ ان میں سے اگر ایک متاثر ہوگا تو دوسرں کا متاثر ہونا لازمی امر ہے چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ صوفیوں کے بیشتر اقوال کی زد توحید اور دوسرے عقائد پر بھی پڑتی ہے، اخلاقی نظریات اور دنیا کے متعلق تصور پر بھی پڑتی ہے اور خدا کی صفات پر بھی پڑتی ہے۔ الغرض دین میں جتنے اہم مسائل ہیں وہ سب اس کی زد میں آتے ہیں۔

چنانچہ ان محدث حضرات کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر انہوں نے اس گروہ کے ترغیب وترہیب کے عذر کو تسلیم کرلیا ہے تو انہوں نے شدید غلطی کی ہے۔ ان سے ایک ایسی غلطی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے دین میں وہ فتنے پھیل گئے کہ جن فتنوں کی اصلاح اگر اب کوئی کرنا بھی چاہے تو بہت مشکل ہے۔ اس راستے سے گوتم بدھ، کنفیوشس، زرتشت اور باطنیہ کے خیالات اور فلاسفہ کے افکار سب کے سب حدیث کی شکل اختیار کرکے گویا دین کا حصہ بن گئے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سیلاب کے آگے بند باندھنا بالکل ناممکن ہوگیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کیا کیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ سب لوگ تو اتنے نقاد نہیں ہو سکتے کہ وہ پرکھ کرکے عث وسمین میں امتیاز کرسکیں اور گہر کو پشیز سے الگ کرسکیں۔ البتہ اہل علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ ہوں کہ ہمارے محدثین سے کیا کیا کمزوریاں صادر ہوئی ہیں۔ بے شک یہ سب تو نیک نیتی کے ساتھ ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اس میں بدنیتی کو کوئی دخل نہیں ہے لیکن اس کے نتیجے میں دینِ اسلام کا حلیہ اس قدر بگاڑ کر رہ گیا ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں باطل چھایا ہوا ہے اور حق اس کے نیچے دب گیا ہے۔

اگرچہ نقاد محدثین نے اس قسم کے صالحین سے روایت لینے میں احتیاط کی سخت تاکید کی ہے، لیکن یہ تنقید اس وجہ سے بالکل غیر مؤثر رہی کہ عملاً ترغیب وترہیب کی روایات ناقدین فن کی گرفت سے آزاد رہیں اور ہر راوی تنقید کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا اس زمانے میں تو تحقیق جان جوکھم کا کام ہوگیا ہے اور تحقیق حق کے فریضے کی ادائیگی کانٹوں کی سیج بن کے رہ گئی ہے۔

روایت کے نااہل صالحین :

اب چند مثالوں سے ہم یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ مذکورہ صالحین کے کارنامے کی کیا نوعیت ہے ؟ صاحب الکفایۃ فی علم الروایۃ کے مصنف خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے : 'باب ترک الاحتجاج بمن لم یکن من اھل الضبط والدرایۃ وان عرف بالصلاح والعبادۃ'۔ اس باب میں انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ ہیں تو اہلِ تقویٰ میں بڑی شہرت کے حامل لیکن حدیث کے حفظ و روایت کی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کی روایت لینا جائز نہیں ہے۔ اس میں انہوں نے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں لیکن ہم چند واقعات ہی درج کرتے ہیں جن سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ تقویٰ کے بھیس میں اس فتنہ کی نوعیت کیا رہی ہے۔

مدینہ کے شیوخ میں سے ابو سلیمانؒ ربیعہ بن ابو عبدالرحمان سے روایت کرتے ہیں کہ :

ان من اخواننا من	ہمارے بھائیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن
نرجوا برکۃ دعائہ	کو ہم مستجاب الدعوات سمجھتے ہیں لیکن ان کا
ولو شھد عندنا	حال یہ ہے کہ اگر وہ کسی معمولی معاملے میں بھی گواہی
بشھادۃ ما قبلناھا۔	دیں تو ان کی گواہی قابلِ اعتماد نہیں۔

یعنی وہ ان کے تقویٰ کی وجہ سے یہ تو سمجھتے ہیں کہ ان کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی معمولی سے معمولی گواہی بھی دیں تو وہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ پھر روایت کے معاملے میں ان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

یحییٰ بن سعید کا ارشاد ہے کہ :

ما رائیت الصالحین فی	میں نے صالحین کو در بابِ حدیث
شیء اشد فتنۃ	جتنے شدید فتنہ کا سبب پایا ہے اتنا
منھم فی الحدیث۔	کسی دوسری چیز میں نہیں پایا۔

یعنی وہ بڑے نیک، بڑے متقی اور بڑے پرہیز گار تو ضرور ہیں لیکن حدیث کے معاملے میں سراپا فتنہ ہیں۔

مشہور محدّث یحییٰ بن سعید القطان کا ارشاد ہے :

ائتمن الرّجل علی	ایسے لوگ بھی ہیں جن پر ایک لاکھ (درہم)
مائۃ الف	کے معاملے میں تو میں اعتماد کر سکتا ہوں لیکن

ولا ائتمنه علیٰ حدیث ۔ ایک حدیث کے معاملے میں بھی میں ان پر اعتماد نہیں کرتا۔

گویا ایک لاکھ کے خزانے کے اعتماد کا اہل ایک حدیث کی روایت کے معاملے میں ناقابلِ اعتماد ہو سکتا ہے۔

ابن ابی الزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ:

ادرکت بالمدینۃ مائۃ کلھم مامون ما یؤخذ عنھم شیٔ من الحدیث یقال لیس من اھلہ ۔

میں نے مدینہ میں سو آدمی ایسے پائے ہیں جو یوں تو ہر پہلو سے قابلِ اطمینان ہیں لیکن ان سے روایت نہیں لی جاتی کہ وہ روایتِ حدیث کے اہل نہیں۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ:

لقد ادرکت سبعین عند ھذہ الاساطین ۔ واشار الیٰ مسجد الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یقولون ... فما اخذت عنھم شیئاً وان احدھم لو ائتمن علیٰ بیت مال لکان بہ امیناً الا انھم لم یکونوا من اھل ھذا الشان ۔

میں ان ستونوں (مسجدِ نبویؐ کے ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے پاس ستر آدمیوں سے ملا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے روایت کرتے تھے، لیکن میں نے ان میں سے کسی سے روایت نہیں لی۔ اگرچہ ان میں ایسے لوگ تھے کہ اگر وہ بیت المال کے امین بنائے جاتے تو وہ اس کے اہل ثابت ہوتے لیکن وہ روایتِ حدیث کے اہل نہیں تھے۔

یہ بیسیوں روایات میں سے ہم نے چند روایتیں لی ہیں اور مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ بہت سے لوگ نیکی کا کام سمجھ کر حدیثیں وضع کرتے اور ان کو پھیلاتے تھے۔ امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح کے مقدمہ میں اہلِ مدینہ کے ایسے صالحین کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ "جری الکذب علی السنتھم" (جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری ہو گیا ہے)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض نیک نیت لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے متعلق بہرحال آدمی شبہ کرتے ہوئے ڈرتا ہے کہ خدا کے ہاں مواخذہ نہ ہو جائے، لیکن حدیث کی روایت کے معاملے میں ائمۂ فن نے جو جیّد ہیں، ان کو ناقابلِ اعتماد ٹھہرایا ہے۔ یہ سب اقوال متنبہ کرنے والے اور آگاہ کرنے والے ہیں لیکن نہایت دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ واقع ہوا وہی جس کا ڈر تھا۔ یعنی محدثین نے ماسوائے مالکیہ کے بحیثیت گروہ یہ تسلیم کر لیا کہ

ترغیب و ترہیب کی روایات کی حد تک تعرض کی چنداں ضرورت نہیں۔ صرف احکام کی روایات تک اپنے جد و جہد اور تحقیق کا دائرہ رکھنا چاہیے۔ ہمارے محدثین نے شاید اس فتنہ کے آگے اپنے کو بے بس پاکر یہ مسلک اختیار کیا اور اس قبیل کی تمام روایات کا اصولی طور پر تعاقب ہی چھوڑ دیا اور یہ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ہر گرفت سے آزاد ہوکر ہمارے تمام عقائد و اعمال پر چھا گئیں اور ہر ممکنہ فتنہ کی آرائش کے لیے انہوں نے سامان فراہم کر دیا۔

وضعِ حدیث کے بڑے محرکات :

اسی طرح حدیث کے وضع کرنے کے بڑے محرکات بھی ہوئے۔ وضعِ حدیث کے بڑے محرکات میں سے دو محرک بہت نمایاں ہیں: ایک اپنی ذات کو نمایاں کرنے کی خواہش، دوسرے اپنی بدعات کو دین میں گھسانے کی سازش۔

شہرت و مقبولیت کے لیے وضعِ حدیث :

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ایک زمانے میں کسی حدیث کا راوی ہونا اتنی بڑی عزت تھی کہ شاید ہی کوئی اور چیز اس سے بڑھ کر عزت والی خیال کی جاتی ہو۔ کسی حدیث کی روایت سے حاصل ہونے والی عزت، شہرت اور مقبولیت اپنے اندر بڑی کشش رکھتی تھی۔ بالخصوص وہ لوگ تو مرجع خلائق بن جاتے تھے جن کے متعلق یہ مشہور ہوجاتے کہ ان کی سند کچھ عالی ہے۔ طالبینِ حدیث ان سے ملنے کے لیے شدِ رحال کرتے اور بعید ترین مقامات سے سفر کرتے تھے اور اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان بستیوں کے جو راستے ہوتے تھے وہ آمد و شد سے گھسے ہوجاتے تھے۔ لوگ اس راہ میں کسی بڑی سے بڑی مشقت کے اٹھانے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ صرف طلبۂ علم ہی نہیں، بلکہ اس زمانے میں ایسے علم دوست رئیس اور حکمران بھی ہوتے جو اس طرح کے لوگوں کی دل و جان سے عزت کرتے، ان سے اظہارِ عقیدت کرتے اور ان سے ملنے کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے۔ جس چیز کو لوگوں کی نگاہوں میں یہ قدر و منزلت حاصل ہو اس کے طالب جس طرح اچھے لوگ ہوسکتے ہیں ظاہر ہے کہ برے لوگ بھی اسی طرح اس کے خریدار بن سکتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ دنیا کی عزت و شہرت بھی حاصل کریں اور اگر امکان ہو تو دوسرے منافع بھی حاصل کریں۔ اس طرح سے نیک نیت اور بدنیت میں بظاہر تمیز بہت مشکل ہوجاتی ہے۔

چنانچہ صاحب الکفایۃ فی علم الروایۃ نے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ ایک صاحب نے اسی طرح چھوٹی چودہ روایتیں گھڑ کر اپنی دکان جما رکھی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد ان چودہ میں انہوں نے ایک روایت کا اضافہ کرلیا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت! گھر بیٹھے بیٹھے یہ کہاں سے ہاتھ آگئی تو جواب میں ارشاد ہوا کہ 'ھٰذا من فضل ربی'۔

ظاہر ہے جس چیز سے اتنی مقبولیت حاصل ہو رہی ہو اس میں دکان داری چمکانے کی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن کے پاس اس طرح کی کوئی چیز نہیں یعنی انہوں نے سچی نہیں ملی تو جھوٹی، صحیح نہیں ملی تو ضعیف، اور قوی نہیں ملی تو کمزور روایت کا سہارا لیا بلکہ کچھ نہ کچھ اپنے پاس سے بنانے کی بھی کوشش کی۔

مبتدعین کی طرف سے تخریب دین کی کوشش:

وضع حدیث کے فتنہ سے سب سے زیادہ فائدہ ان گمراہ فرقوں نے اٹھایا جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ مثلاً خوارج، شیعہ اور مرجئہ وغیرہ۔ ان کے مقاصد سیاسی بھی تھے جن کی وجہ سے بعض شخصیات کے حق میں یا ان کے خلاف ان کو پروپیگنڈے کے لئے مواد درکار تھا اور یہ عامۃ المسلمین سے کئی معاملات میں عقائدی اختلاف بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے جب اپنی ضلالتوں کو دین بنانا چاہا تو ان کے پاس کوئی آسان راستہ نہیں تھا لہٰذا انہوں نے بے تحاشا روایتیں گھڑیں اور پھیلائیں تاکہ اپنی ضلالت کو دین ثابت کریں۔ براہ راست قرآن مجید سے اپنی بدعتوں کو دین ثابت کرنا تو ان کے لیے ممکن نہیں تھا اس وجہ سے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ جس بات کو رائج کرنا چاہا اس کو ایک حدیث کی شکل دے دی اور وہ بڑی آسانی سے زبانوں پر چڑھ گئی؛ اس لئے کہ حدیث کے نام سے کسی گمراہی کو پھیلانا آسان تھا۔

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے تو اس میں ان مبتدعین کو جو راستہ ملا ہے وہ بعض مفسرین کی بلا تحقیق نقل کردہ جھوٹی روایت سے ملا ہے، ورنہ قرآن مجید کے الفاظ تو ایسے نہیں ہیں کہ جن کو آسانی کے ساتھ استعمال کر سکیں اور اگر استعمال کرتے ہیں تو ان کو باطنیہ کی قسم کی تاویلات کرنی پڑتی ہیں۔

چنانچہ مبتدعین نے جب قرآن مجید کو مسخ کرنے کا راستہ مسدود پایا تو وضع حدیث کا سہارا لیا۔ اس میں ان کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اس طرح سے انہوں نے جو بات گھڑ دی وہ آہستہ آہستہ مخصوص مفاد پرستوں کے ذریعے عام ہونے لگی۔

خطیب بغدادیؒ نے ایسے متعدد لوگوں کے اعترافات نقل کئے ہیں جو انہی گمراہ فرقوں میں سے کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے تھے۔ بعد میں جب ان کو توبہ کی توفیق ہوئی تو انہوں نے اس فتنہ گری کی نوعیت سے لوگوں کو آگاہ کیا کہ ہم جب چاہتے کہ اپنی کسی بدعت کو دین ثابت کریں تو اس کا سب سے زیادہ سہل راستہ یہ تھا کہ اس کو حدیث کا جامہ پہنایا اور لوگوں میں پھیلا دیا اور یہ پھیل گیا۔

اس طرح جو جھوٹ پھیلایا گیا ہے اس کی تعداد معمولی نہیں ہے، بلکہ بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں ہے۔ اس کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حماد بن زید سے سنا کہ زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ ہزار

حدیثیں گھڑ کے پھیلا دیں۔[1]

حماد بن زید، جعفر بن سلیمان سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے مہدی سے سنا وہ کہتے تھے کہ زنادقہ میں سے ایک شخص نے خود میرے سامنے اقرار کیا کہ اس نے چار سو روایتیں گھڑیں اور وہ لوگوں میں چل گئی ہیں۔[2]

غور کیجئے کہ جب ایک ایک شخص چار چار سو حدیثیں گھڑ کے پھیلا دیتا تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ تمام گمراہ فرقوں نے کتنی روایتیں گھڑ کے پھیلائی ہوں گی۔

اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات ذرا بھی تعجب انگیز معلوم نہیں ہوتی کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے لاکھوں حدیثوں کے انبار میں سے چند ہزار حدیثیں پائی ہیں جن سے ان کے مجموعے تیار ہوئے ہیں۔

مبتدعین کے مقابل میں ائمۂ فن کی روش:

یہاں ہمیں یہ بات نہایت افسوس کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ ہمارے محدثین نے جس طرح صالحین کی روایاتِ ترغیب و ترہیب کے مقابل میں کمزور موقف اختیار کیا اسی طرح ان مبتدعین کے مقابل میں اتنا منفعلانہ اور ضعیف رویہ اختیار کیا کہ ان کے فتنہ کو روکنا تو درکنار اگر ہم یہ کہیں تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ ان کے رویّے سے اس فتنہ کو شہ ملی۔

امام مالکؒ نے بے شک ان کے مقابل میں مضبوط موقف اختیار کیا۔ ان کے نزدیک اس طرح کے ضالین و مضلین سے روایت لینا بالکل ناجائز ہے۔ وہ تو اس معاملے میں اس قدر متشدد تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بالمعنی تک کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک یہ روایت باللفظ ہی ہو سکتی ہے۔ ان کے دوٹوک اور محکم موقف کا اندازہ ان کے اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ:

"میں ان ستونوں ۔ مسجدِ نبوی کے ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ۔ کے پاس ستر آدمیوں سے ملا ہوں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر کے روایت کرتے تھے لیکن میں نے ان میں سے کسی سے روایت نہیں لی، اگرچہ ان میں ایسے لوگ تھے کہ اگر وہ بیت المال کے امین بنائے جاتے تو وہ اس کے اہل ثابت ہوتے لیکن وہ روایتِ حدیث کے اہل نہ تھے۔" ان کا اصول اور عمل تو یہی ہے۔ اب اگر ان کے ہاں اس کے خلاف کوئی روایت آجاتی ہے تو اس کو یوں سمجھ لیجیے کہ جب وبائے عام ہو تو محتاط آدمی بھی اس سے کچھ نہ کچھ زخم اٹھا ہی لیتا ہے۔

جہاں تک دوسرے ائمہ مثلاً امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابویوسفؒ وغیرہ کا تعلق

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ

[2] الکفایۃ فی علم الروایۃ

ہے تو ان کا مسلک نہایت ضعیف ہے۔ ان تمام لوگوں نے مختلف تاویلوں سے ان مبتدعین کی روایتوں کو قبول کر لیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جو گمراہی تاویل کے راستے سے پیدا ہوتی ہے جب اس کے حامل کو ہم کافر نہیں کہتے تو اس کی روایت کو بھی رد نہیں کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک ایک ماؤل صریح کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ان کا موقف نہایت لغو ہے، اس لیے کہ کفر کا اظہار تو بالعموم تاویل ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے، صریح کفر کا اظہار تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ شیعہ، خوارج، مرجئہ، قدریہ ایسے جتنے بھی گروہ ہیں تو وہ اپنی تاویل کو دین سمجھتے ہیں اور اسے دین سمجھ کر ہی اپناتے اور اختیار کرتے ہیں۔ آج بھی دیکھیے جتنی گمراہیاں دین میں پیدا کی جاری ہیں وہ صریح کفر کے راستے سے نہیں بلکہ تاویل کے راستے سے آرہی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان ائمہ کی یہ رعایت معصومانہ ہے، اس لیے کہ اس کے مضمرات کو پوری طرح سے نہیں پرکھا گیا ہے۔

بعض حضرات داعی اور غیر داعی مبتدع میں فرق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو اپنی بدعت کا داعی ہو اس کی روایت نہیں لی جائے گی، لیکن جو داعی نہ ہو اس کی روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ یعنی ایک راوی خواہ کٹر سے کٹر خارجی ہو یا کٹر سے کٹر شیعہ ہو تو اس کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اپنے مسلک کا کھلم کھلا داعی نہ ہو۔ لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ کوئی معقول رائے ہے۔ جب ایک چیز اس کا جزو ایمان و دین ہے تو لامحالہ جب وہ بات کرے گا تو وہی بات کرے گا جو اس نے اپنے مسلک کے ائمہ سے سنی ہو گی اور نقل کرے گا تو انہی کی بات نقل کرے گا۔ اس لیے ان لوگوں کی یہ رائے بھی ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

اسی طریقے سے ایک گروہ یہ تخصیص کرتا ہے کہ خاص نوعیت کے مبتدعین سے تو بے شک روایت نہیں لی جائے گی البتہ ان کے ماسوا جو ہیں ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون یہ امتیاز کرتا پھرے گا کہ گمراہی کا درجہ کیا ہے؟ کس کے پاس یہ پیمانہ ہے کہ اس سے یہ ناپ کر فیصلہ کر لیا جائے کہ یہ راوی اس درجے کا گمراہ ہے یا نہیں۔ جو بھی کہنا ہے بالکلیہ ہی کہنا چاہیے۔ چنانچہ یہ حضرات روافض کے ایک مخصوص گروہ کے سوا باقی تمام مبتدعین سے روایت لینا جائز سمجھتے ہیں۔

یہ منفعلانہ ذہنیت آہستہ آہستہ لوگوں پر اس طرح غالب آگئی کہ ائمہ فن تک نے مبتدعین سے روایت لینے کو مجبوری بنا لیا جس کے نتیجے میں ان کے مرتب کردہ نسخوں میں بکثرت روایات اہل بدعت سے آگئیں اور اس وقت ان کی تحقیق نہایت دقت طلب ہو چکی ہے۔ الکفایہ فی علم الروایہ میں علی بن المدینی کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

لو ترکت اھل البصرۃ لحال	اگر میں اہل بصرہ کو مسئلہ قدر کی بنا پر
القدر، ولو ترکت اھل	اور اہل کوفہ کو تشیع کی بنا پر چھوڑ دوں
الکوفۃ لذلک الرای	تو حدیث کی کتابیں ویران

یعنی التشیع خربت الکتب[1] ہو کر رہ جائیں۔

اسی ذیل میں محمد بن نعیم الضبی فرماتے ہیں کہ ابوعبداللہ محمد بن یعقوب سے فضل بن محمد الشعرانی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ:

صدوق فی الروایۃ الا انہ	وہ روایت میں نہایت راستباز ہیں'
کان من الغالین فی التشیع	لیکن ہیں غالی شیعوں میں سے۔ اس پر ان
قیل لہ: فقد حدثت	سے کہا گیا کہ آپ نے تو ان سے صحیح میں
عنہ فی الصحیح؟ فقال:	روایت لی ہے۔ اس پر انہوں نے
لان کتاب استاذی	جواب دیا: یہ اس لیے کہ میرے استاد کی
ملآن من حدیث الشیعۃ[2]	کتاب شیعوں کی روایت سے بھری ہوتی ہے۔

'استاد' سے یہاں مراد امام مسلمؒ اور 'استاد کی کتاب' سے ان کی مراد صحیح مسلم ہے۔

شیعوں وغیرہ سے روایت لینے کے جو نتائج ہوتے ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے، لیکن اتنا یاد رکھیے کہ جو لوگ کھرا اور کھوٹا پرکھنے کی امتیاز سے محروم ہوتے ہیں وہ نہایت معصومیت سے ان کے دیے ہوئے زہر کو تریاق سمجھ کر نگل جاتے ہیں۔

خلاصۂ بحث:

دین کا تحفظ صحیح علم سے ممکن ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ علم دین کے بنیادی ذرائع یعنی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی صحیح معرفت حاصل ہو۔ دین کی حفاظت کے لیے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے پکا' مضبوط اور محکم ایمان اور ہر قیمت پر صحیح علم کی طلب و جستجو۔

سنت رسول کے جاننے کے ذرائع میں حدیث کی روایت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ حدیث کی حیثیت سنت کے ریکارڈ کی ہے۔ علم رسول کو محفوظ کرنے کے لیے ہمارے عظیم ائمہ حدیث کی مساعی یقیناً قابل قدر ہیں لیکن اس کے

---

[1] الکفایۃ فی علم الروایۃ: باب ذکر بعض المنقول عن ائمۃ اصحاب الحدیث فی جواز الروایۃ عن اھل الاھواء والبدع۔

[2] الکفایۃ فی علم الروایۃ، باب ذکر بعض المنقول عن ائمۃ اصحاب الحدیث فی جواز الروایۃ عن اھل الاھواء والبدع۔

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

شرف الدین احمد عظیم آبادی

تین سال بعد

(۱۶ر فروری ۱۹۷۹ء)

ماہ اگست ۷۶ء میں صالح صاحب مرحوم کی وفات ہوئی۔ شرف الدین احمد عظیم آبادی بھی اس بزم صالح کے مستقل وابستگان میں تھے۔ ان کی یہ پُراثر نظمیں اسی نسبت سے شاملِ اشاعت ہیں۔ (تسنیم مینائی)

آج آیا ہوں اس بزم میں لیکن کیسے؟ ∴ دل کو تھامے ہوئے اور آنکھوں میں آنسو روکے
یہ وہی بزم ہے جس بزم میں کچھ دن پہلے ∴ ہم سب ہی آنے کو بے چین رہا کرتے تھے

ایک ہفتہ کا گزرنا بھی تو کھل جاتا تھا
مرنے والا بھی یہاں آ کے سنبھل جاتا تھا

ویسے کہنے کو تو یہ چھوٹی سی اک صحبت تھی ∴ لیکن ہم گوشہ نشینوں کے لئے نعمت تھی
ہائے کیا لطف تھا ہمدردی تھی اور الفت تھی ∴ یا کسی "صاحبِ خدمت" کی یہ سب برکت تھی

اب اُسی بزم کی ویرانی کو دیکھوں کیسے
کیا سے کیا ہو گیا اس راز کو سمجھوں کیسے

یکے بادیگرے احباب چلے سوئے عدم ∴ ایک کا غم ابھی تازہ تھا کہ پھر دوسرا غم
اب تو یہ سلسلۂ غم ہے کچھ ایسا پیہم ∴ کیسے خاموش رہوں کیوں نہ ہوں آنکھیں پُرنم

یاد اس بزم کی اُنکو بھی تو آئی ہوگی
"بزم صالح" کوئی جنت میں بنائی ہوگی

ڈھارکی (ضلع سکھر) (بتاریخ ۱۵ فروری ۱۹۷۶ء)

ہم نے سوچا کہ ذرا ڈھارکی چل کر دیکھیں ؎ اور دیکھیں تو کہ یہ شہر ہے سکھر کیسا
ٹنڈو آدم سے کبھی آگے تو جانا نہ ہوا ؎ کیا بتائیں۔ کہ کراچی کا ہے چکر کیسا
چونکہ تکیہ ہے ہمیں آپ کی الفت پہ حبیب[1] ؎ اس لئے ساتھ میں کمبل کہاں بستر کیسا
ہم تو بس شوقِ زیارت میں چلے آئے ہیں ؎ خانقہ کیسی ہے دیکھیں ذرا لنگر کیسا

مرغ د ماہی تو کراچی میں بھی مل جاتے ہیں
یہ تو کہیئے کہ یہاں ہوتا ہے تیتر کیسا

[1] حبیب احمد صدیقی مراد ہیں۔ (مدیر فاران)

خالص.... اور.... سفید
صاف ـــــــ شفاف
شکر (چینی)
باوانی شوگر ملز لمیٹڈ
پتہ
حبیب اسکوائر ـــ ایم اے جناح روڈ ـــ (بندر روڈ) ـ کراچی

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

محترمی! سلام و نیاز

فاران کا شمارہ ماہ ستمبر ۸۳ء میں نے اپنے ایک دوست نورالدین صاحب (پوسٹ ماسٹر ریٹائرڈ) کے ہمراہ جو ہندوستان جا رہے تھے اپنے استاد حضرت انور بھوپالی کی خدمت میں بھجوایا تھا - حال ہی میں استاد محترم کا ایک طویل خط ملا ہے جس کی چند سطور درج ذیل ہیں:-

"فاران" بڑا پیارا پرچہ ہے، کیسی اچھی اچھی چیزیں، نعتیں اس میں شائع ہوئی ہیں محترم جلیل صاحب قدوائی کا تنقیدی مکتوب - "سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا" بہت خوب ہے - ویسے مودودی صاحب کے بارے میں بھی بڑا اچھا مقالہ ہے اور خطوط بھی غرض کہ پورا رسالہ اسمٰعیل احمد مینائی صاحب نے بڑے سلیقے سے شائع کیا ہے - میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ایک نعت "فاران" کی نذر کروں[1]، بشرطیکہ "فاران" جیسے موقر رسالے کے شایاں ہو۔ مولانا مودودی کی شان میں مولانا ماہر مرحوم کا نذرانۂ عقیدت بھی بڑا پرخلوص ہے ۔"

مذکورہ نعت شریف منسلک ہے - ستمبر میں جگر صاحب کی برسی ہے - اس کے لئے بھی ایک مضمون حاضر ہے ۔ ماہ مئی کے شمارے میں عمر سیفی صاحب نے اپنے مکتوب میں جن نکات کو اٹھایا ہے ان کے بارے میں اپنے استاد حضرت انور بھوپالی کو عریضہ تحریر کر دیا ہے - حضرت کا جواب ملنے پر پیش کر دوں گا ۔

والسلام
احمر رفاعی

والا جناب مستطاب زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

گرامی نامہ مورخہ ۲۸ اپریل ۸۴ء کے لئے صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں ۔ اس دور میں آپ جیسے بزرگوں کا وجود مغتنمات سے ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور صحت کاملہ عطا فرمائے ۔

مضمون "حضرت طلیب رضؓ بن عمیرؓ" میں نے معمولی (غیر رجسٹری شدہ) ڈاک کے ذریعہ بھیجا تھا اگر آنجناب کو نہیں ملا تو محکمۂ ڈاک کی نااہلی کی نذر ہو گیا - احتیاطاً اپنے کاغذات دیکھ لیجئے گا ۔ شکریہ

[1] یہ شمارہ جولائی ۸۴ء میں شائع ہوئی ہے ۔

بہت جلد دو اور مقالے ارسال خدمت ہوں گے۔

یادرفتگاں کی پہلی جلد اس ماہ کے آخر تک چھپ جائے گی ان شاء اللہ۔

جناب کو اگر کبھی موقع مل جائے تو اس بات کا سبب معلوم کریں کہ یہ جو حکومت کی سرپرستی میں علمی اور ادبی کانفرنسیں ہوتی ہیں ان میں کس قبیل کے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے۔ مجھے ان کانفرنسوں میں جانے کا شوق نہیں، بڑھاپا تیزی سے غلبہ پا رہا ہے سفر سے گریز کرتا ہوں لیکن یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اربابِ حکومت نے ادیب، مصنف اور عالم ہونے کا معیار کیا مقرر کر رکھا ہے۔ چالیس سال دین و ادب اور اخلاق کی خدمت کرتے گزر گئے دسیوں مقبول عام کتابچے تالیف کرنے کی اللہ نے توفیق دی اب بھی ملک کے وقیع رسائل میں ہر ماہ میرا کوئی نہ کوئی مقالہ شائع ہوتا رہتا ہے لیکن آج تک کبھی سرکاری سرپرستی میں ہونے والی کسی ادبی یا علمی کانفرنس میں مدعو کئے جانے کے قابل نہیں سمجھا گیا۔ اس کے برعکس متعدد ایسے لوگوں کو بلایا گیا جو نہ کسی کتاب کے مصنف اور نہ ان کو علم و ادب سے چنداں لگاؤ ہے کیا ان لوگوں نے کوئی "انجمن ستائش باہمی" بنا رکھی ہے کہ دین اور اخلاق کی تعلی[illegible]مت کرنے والوں کو سرے سے ادیب اور مصنف ہی نہیں سمجھتے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ آپ نے فاران میں بھی اس موضوع پر بڑا زوردار اداریہ لکھا تھا اب اللہ تعالیٰ نے مجلس شوریٰ میں جانے کا موقع دیا ہے تو کم از کم ہم جیسے لوگوں کے دل کا یہ کانٹا ضرور نکال دیں۔

اب آنجناب ایک مضبوط پلیٹ فارم سے صدر محترم یا مقتدرہ قومی زبان وغیرہ کے اربابِ حل و عقد کی توجہ ان باتوں کی طرف مبذول کرا سکتے ہیں۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن والا معاملہ تو نہیں ہونا چاہیے۔

گرامی نامہ مورخہ [illegible] کے لئے صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں۔ جناب کی علالت اور مصروفیات کے پیش نظر میں تو جواب سے قریب قریب مایوس ہو چکا تھا۔ بارے اس کرم نامے نے "سوکھے دھانوں میں پانی پڑا" والا کام کیا۔

"یادرفتگاں" آپ کو پسند آئی۔ الحمدللہ میری محنت کا صلہ مجھے مل گیا۔

دوسری جلد کی کتابت اکتوبر کے اوائل تک مکمل ہو جائے گی اور مالی حالات نے اجازت دی تو نومبر ۸۴ء میں اسے بھی منصۂ شہود پر لے آؤں گا۔ ماہر صاحب کے افسانوں کی کتابت بھی جاری ہے۔ اکتوبر میں "سیاحت نامۂ ماہر القادری" (مولانا ماہر القادریؒ کی سیاحت یورپ جنوبی افریقہ مصر و حجاز کی دلچسپ روداد ان کے قلم سے) کی کتابت بھی شروع کرا دوں گا۔ "ہماری نظر میں" کا انتخاب کر رہا ہوں۔

"یادرفتگاں" کی جلد اوّل کی فروخت کے سلسلے میں آپ کی رہنمائی اور مدد کا خواستگار ہوں۔

عبدالرحمن چھابرہ صاحب کو اس کی خرید پر آمادہ فرمائیں۔ بھارت بھی اس کو بھجوا سکیں تو بھجوائیں اپنے

حلقۂ احباب کو بھی اس کی خریداری کی ترغیب دیں تو شاید جلد اوّل جلد نکل جائے اور میں ماہر صاحب کی دوسری کتابوں کو بھی سہولت کے ساتھ منظرِ عام پر لاسکوں - اس وقت اپنی تالیفات کی اشاعت کا بھی مجھ پر کافی بوجھ ہے ماہر صاحب کی نگارشات کی اشاعت کے تمام اخراجات تن تنہا خود برداشت کر رہا ہوں - آپ جیسے بزرگ تعاون ——— تبھی اس کارِ گراں سے عہدہ برآ ہوسکوں گا -

فاران کے لئے مضمون ابھی آپ کے پاس ہوں گے - جون جولائی کا پرچہ شائع ہولے تو انشاءاللہ مزید مضامین حاضرِ خدمت کروں گا -

حکومت کی سرپرستی میں چلنے والے ادارے درحقیقت چند خاص گروہوں کی اجارہ داری ہے خالص دینی ذہن رکھنے والے ادیبوں کو وہ اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتے خیر ہم نے بھی کبھی ان کی پروا نہیں کی - ہر قسم کی تحسین و ستائش، حکومت کی سرپرستی اور امداد سے بے نیاز ہوکر خاموشی سے اپنا کام کئے جارہے ہیں اب تو زندگی گزر گئی ——— تعجب ہے مجھے اس بات پر ہوا تھا کہ ایک شخص جس کی تالیفات کراچی سے خیبر تک ملک کی ہر لائبریری میں موجود ہیں اور بیرونِ ملک بھی پڑھی جاتی ہیں - جس کے مضامین ملک کے بہت سے دینی رسائل میں گزشتہ ۳۰ برس سے شائع ہورہے ہیں - جو رائٹرز گلڈ کا پرانا رکن ہے اسے اس قابل بھی نہیں سمجھا جاتا کہ کسی علمی اور ادبی کانفرنس میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے اس کے برعکس بعض ایسے لوگوں کو شریک کیا جاتا ہے جن کا سرے سے کوئی ادبی مقام ہی نہیں (نہ تصنیف و تالیف کے لحاظ سے اور نہ مقالہ نگاری اور تحقیق کے اعتبار سے) خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا عزت و ذلت پر اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے ان لوگوں کے مدعو کرنے نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے - اللہ تعالیٰ آخرت میں اجر دے - تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کو تنہا ایک بڑے سرکاری ادارے میں برابر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی - ان لوگوں نے لاکھوں روپے حکومت سے لئے اور بڑے ٹھاٹ باٹ میں دفاتر میں بیٹھ کر کام کیا - اس عاجز نے کسی سے آج تک ایک پیسہ تک نہیں لیا اور ہمیشہ بوریے پر بیٹھ کر کام کیا — الحمدللہ

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے - والسلام مع الاکرام

طالب ہاشمی غفرلہٗ لاہور

مکرمی ! السلام علیکم !

آجکل تو آپ مجلس شوریٰ میں شرکت کر رہے ہوں گے - لیکن میرا خط پہنچنے تک آپ بھی انشاءاللہ کراچی پہنچ جائیں گے - میں نے اس سے پہلے مئی کے شمارے میں رائے ارسال کی تھی میرا وہ خط آپ کو بھ گیا ہوگا - اب " ادب اور خدا کا تصور " ایک مختصر مضمون بھیج رہا ہوں - یہاں آجکل یہ بحث پھر زوروں

چل پڑی ہے کہ ادب کو ہر پابندی سے آزاد ہونا چاہیئے - اس سلسلے میں کچھ لکھا ہے - میں نے اپنا گزشتہ آٹھ سال کا کلام معہ ایک طویل مقدمہ کے شائع کرایا ہے انشاءاللہ ایک دو دن میں پریس سے آجائے گا - تبصرے کے لئے آپ کی خدمت میں بھیجوں گا - یہ مضمون کسی شمارے میں شائع فرمادیں - مختصر ہے لیکن اس میں اہم اشارات موجود ہیں - ضرورت محسوس ہونے پر اس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے - میں نے ارادتاً بحث کو جلدی لپیٹ دیا ہے [1]

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا -

---

[1] مضمون "ادب اور خدا کا تصور" فاران کے شمارہ جولائی ۸۴ء میں شائع کردیا گیا ہے (مدیر فاران)

دو تین دن ہوئے جون کا فاران ملا - غالباً آپ کی مجلس شوریٰ میں حاضری کی وجہ سے اشاعت میں دیر ہو گئی خیر دیر آید درست آید -

نقش اول میں آپ نے یہ مسرت آفریں اور حوصلہ افزا خبر سنائی ہے کہ ترویج اردو کی کوششیں الحمدللہ بالآخر بارآور ہورہی ہیں اور قائداعظم کا لگایا ہوا یہ شجرسایہ دار اب برگ وبار ہی نہیں اثمار بھی لا رہا ہے اس ضمن میں آپ کی پیش کردہ دونوں تجاویز بھی بہت مفید اور بروقت معلوم ہوتی ہیں کہ فوری طور پر اسلام آباد میں ایک نمائندہ اردو کانفرنس طلب کرنی چاہیئے - دوسری یہ کہ مجلس شوریٰ کے اگلے اجلاس میں بھی یہی تجویز زیر بحث لانے کا اہتمام کردیا جائے -

مندرجات میں حسین اعظمی صاحب کی نعت نہایت زوردار ہے - ترنم کا بہاؤ اور عبارت کا زور دیدنی ہے آپ نے "دو شعر" جو نیچے درج کئے ہیں اُن میں ایک غضب کا ہے سو

مژگان تر سے جان تسلی سی پا گئی ؎ کانٹوں کی اوس پیاس ہماری بجھا گئی

خسروی صاحب کی روایتی غزل بہت خوب ہے - روایتی غزل کا رنگ - رچاؤ دل ربائی بلکہ معاملہ بندی کا زور ہے

شوق ماہری کی غزل حسب دستور بہت عمدہ ہے - معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی تنگنائے میں پوری ملت کے دل کا سوز وگداز سمو دیا ہے - گستاخی معاف پہلی دفعہ آپ کی نہایت جاندار غزل نظر سے گزری - سادگی وپرکاری اور سہل ممتنع کی بہت عمدہ مثال ہے - ہر شعر میں فکر وفن کی استادانہ پختگی جھلکتی ہے -

اپنی تازہ کتاب "اعجاز بیان" کے دو نسخے بھیج چکا ہوں پہونچے ہوں گے۔ فرصت کے لمحات میں چند سطور کا تبصرہ لکھ دیجئے کرم ہوگا۔ نثر اور نظم دونوں میں اسلامی قدروں کے اجاگر کرنے کا شعوری اہتمام کیا ہے اور کچھ نہیں

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ فقط والسلام

نیازمند اسرار احمد سہاوری

The Ultimate in posh living

LOCATION:
Heart of the city where real gentry lives. On Clifton Road (near Clifton Bridge) in close proximity to and at walking distance from Metropolitan marketing area Five Star Hotels, Frere Hall Garden, Railway Station and modern Shopping Centres of Clifton

PrinceComplex

LUXURY APARTMENTS

FACILITIES:
3 Bedrooms,
attached modern Baths,
Drawing/Dining
spacious TV Lounge,
multi-purpose utility room.

DISTINCT FEATURES:

- Every Apartment Corner Apartment.
- Aluminium Windows
- Point for Telephone.
- Modern Kitchen.
- Store Pantry.
- Hot and Cold Lines.
- English Bath with Ceramic Tiles.
- Balcony.
- Fast moving lifts.
- Paved Car Parking.
- Landscaping.

For details and booking, contact:

MARHABA LTD

Ruknuddin Group of Companies
Head Office: 27-A, Bambino Chambers, Garden Road, Karachi, Tele. 70444, 70016, 70017
Site Office: Plot F-20, Near Clifton Bridge, Karachi
BANK INDOSUEZ BANK, I. I. Chundrigar Road, Karachi. TEL: 237887
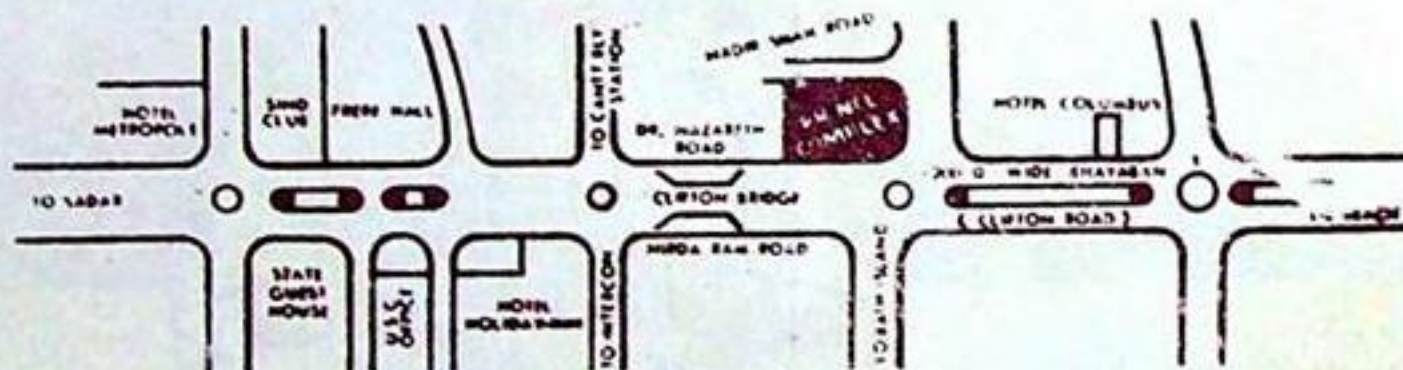
LOCATION PLAN OF PRINCE COMPLEX

approved by K.D.A. Master Plan Department vide their letter No. MP/DCB(D)/326/NOC/150/ 80 and No. MP/DCB(D)/ADV 109/80 Dated 19-2-1980

- NO ESCALATION IN PRICE
- GUARANTEE FOR COMPLETION ON DUE DATE

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

SILVER JUBILEE
1959 - 1984
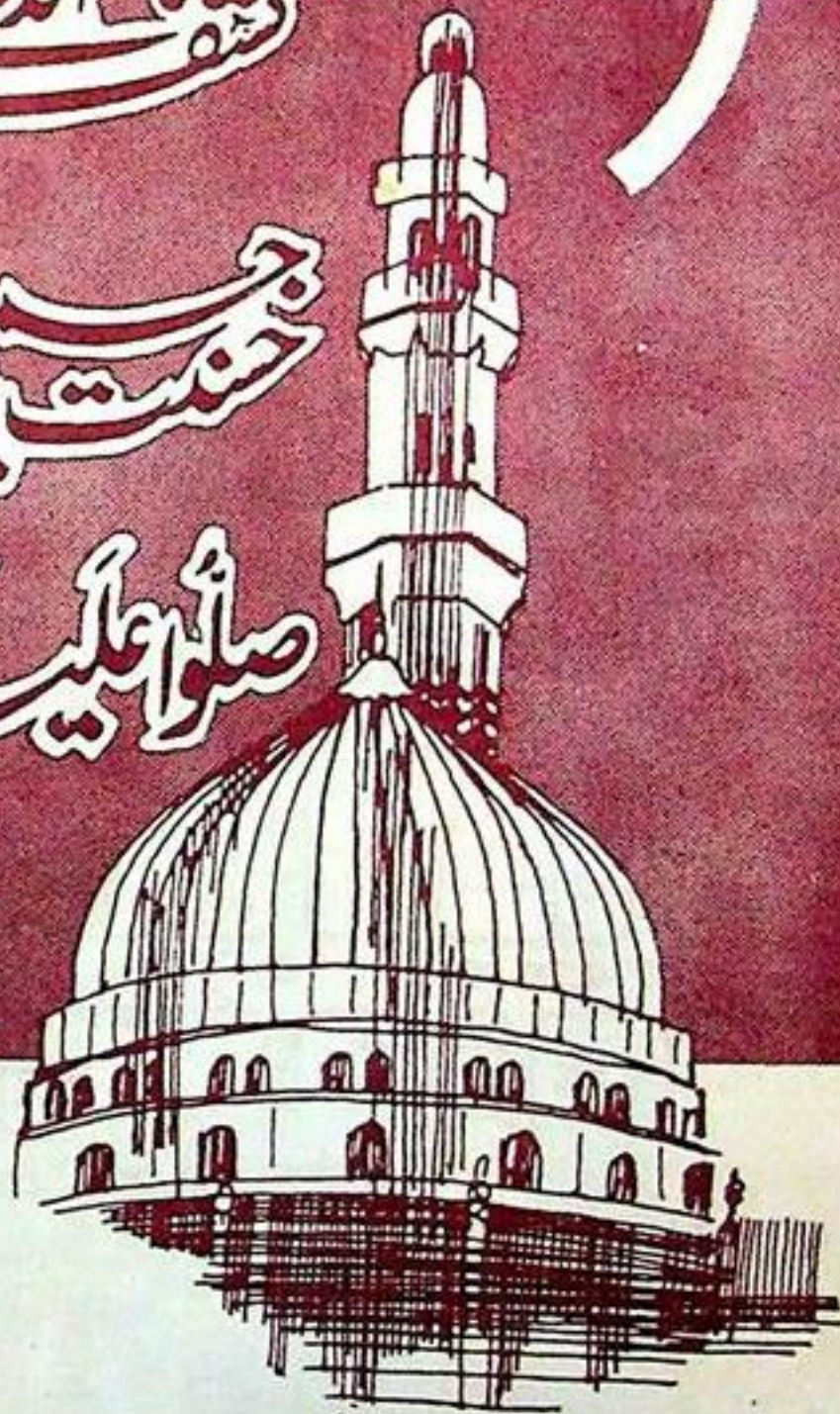
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ
آپ کی خدمت کے لئے کوشاں

manhattan PAKISTAN UBL.82.11